title - Rooh Rawaan
Creator - Jugat Mohan Lal Rawaan
Publisher - Naami Press (Lucknow)
Date - 1928
Pages - 212
Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-O-Dawawee

مقدمہ

از

لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی مدظلہ

نقاب میکشد اے دل تمام حوصلہ شو
کہ باز وقت شراب و کرشمہ پیمائی است
(عرفی)

مناظر قدرت کی تعریف جن الفاظ میں بیان ہو سکتی ہے وہی لفظیں شعر کی تعریف کیلئے کافی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ذوقی و وجدانی چیزوں کی ماہیت بیان کرنے کیلئے الفاظ کا ذخیرہ ناکافی ہے اسی سبب سے شعر کی تعریف میں ارباب تحقیق نے فراخور استعداد مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن کا اعادہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ بتغیر الفاظ اس موضوع پر جسقدر تالیفات و تصنیفات شائع ہوئے ہیں سب میں وہی باتیں دہرائی جاتی ہیں۔ ماہرین نفسیات و فطرت انسانی تحقیقات کے فلک الافلاک تک پہونچنے کے بعد بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور نہیں بتا سکتے کہ وہ فطرتی حسن جو وزن عروضی کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے کیا ہے؟

شاعری کی حقیقت کا اظہار نثر میں بہت کچھ کیا گیا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسکی حقیقت کو اسکی زبان سے ظاہر کروں اور اسکا وہ رجز آپ کو سناؤں جسکے ہر مصرع سے ایک مستقل مضمون پیدا ہو سکتا ہے۔

من کیستم آں سالک گم نیست مسیرم — کز پختۂ جوہر قدس است خمیرم
در صفحۂ تصویر محالست مثالم — در پردۂ تقدیر محالست نظیرم
چوں حسن کشد جام صفا رنگ شرابم — چوں عشق دہد رنگ جبیں آب بہ تیرم
در قامت عاشق شکن آموز کمانم — در غمزۂ معشوق کشایش دہ تیرم
آنجا کہ وفا تشنہ شود چشمۂ خضرم — آنجا کہ صفا غسل کند آب غدیرم
آنجا کہ ادب نغمہ طراز است سمیعم — وانجا کہ ہنر جلوہ فروش است بصیرم
چوں سجدہ بت گرم شود ناصیہ زنم — چوں تیغ صنم کند شود پہلو میرم
در خانۂ مجنوں کہ خراب است غبارم — در حجلۂ لیلی کہ بہشت است عبیرم
با ناطقہ گل ریزم و با سامعہ گلچیں — با دا ہمہ نا بالغ و با عاقلہ پیرم
در آب و ہوائے چمن خلد سرورم — در بست کشادہ در فردوس صریرم
توفیق چو صورت شکند قوت دہم — تحقیق چو معنی طلبد جوش ضمیرم
سر بردہ ام با مہ کنعاں ز یکے جیب — معشوق تماشا طلب آئینہ گیرم

آں چشمۂ قربم کہ ز لب تشنگی وحی
جبرئیل در آید بچراگاہ ضمیرم

کسی حکیم نے خوب کہا ہی کہ اگر کسی مخلوق کو خالق کہہ سکتے ہیں تو وہ شاعر ہی ہی جو اپنی محسوسات کو خلعت جسمانیت دیکر ایسے الفاظ میں بیان کرتی ہو

سلہ یہ اشعار عرفی شیرازی کے ایک قصیدے سے لیے ہیں ۱۲

کہ اُنکی تصویر پیش نظر ہوجاتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد آپ کے سامنے ایک ایسے گرانمایہ شاعر کا کلام پیش کیا جاتا ہے جسکو آپ اسی معیار پر جانچ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے بر سبیل تعارف مختصر حالات زندگی لکھے جاتے ہیں اسکے بعد کلام پر تبصرہ۔

تعارف

چودھری منشی گنگا پرشاد صاحب نے اپنے بعد پانچ فرزند چھوڑے (۱) بابو کنہیا لال صاحب (۲) بابو بلدیو پرشاد صاحب (۳) بابو کرتا کرشن صاحب۔ (۴) بابو جگت موہن صاحب رواں (۵) بابو تربھون ناتھ صاحب وکیل۔ بابو جگت موہن صاحب رواں ۱۴ جنوری ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۹ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور اپنے بڑے بھائی بابو کنہیا لال صاحب کی نگرانی میں تعلیم پاتے رہے ۱۹۰۷ء میں موراواں ہائی اسکول سے انٹرنس درجۂ اول میں پاس کیا ۱۹۰۹ء میں ایف اے اور ۱۹۱۱ء میں بی اے کیننگ کالج لکھنؤ سے پاس کیا خداداد ذہانت اور طبعی شوق سے ہر امتحان میں نتیجہ درجۂ اول میں کامیاب ہوئے۔ اسی اثنا میں کالج سے وظیفۂ علمی بھی مقرر ہو گیا کالج کا قاعدہ ہے کہ جو طلبا بی۔ اے میں اول نمبر میں کامیاب ہوتے ہیں وظیفہ کے علاوہ انکے نام سنہری حرفوں میں کالج کی دیوار پر لکھ دیے جاتے ہیں طلبا کے حق میں یہ زریں اصول نہایت ہمت افزا ثابت ہوا چنانچہ رواں کہتے ہیں کہ پہلے دن جب کالج میں داخل ہوا تو اپنے پیشروں کے نام دیکھ کر

نے مجھے یہ خیال ہوا کاش یہ عزت مجھے بھی حاصل ہوتی۔ رفتہ رفتہ انکی ہمت مردانہ نے یہ امتیازی خصوصیات حاصل کئے۔

ڈاکٹر کیمرن وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی سے انکو اسقدر عقیدت ہوگئی کہ انکی خدمت میں رہکر ۱۹۱۲ء میں ایم۔ اے پاس کیا اسکے ساتھ ساتھ کتب بینی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ شاید ہی انگریزی کا کوئی ایسا نامور شاعر ایسا ہو جسکا کلام رواں نے ابتدا سے انتہا تک نہ پڑھا ہو۔ ادب انگریزی کے ساتھ فارسی شعرا کا کلام بھی دیکھتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں ال ال بی کا امتحان پاس کرکے مستقل طور پر اناؤ میں قیام کیا اور آج وہاں کے سربرآوردہ اور باثر وکیلوں میں انکا شمار ہے لیکن وہ اپنے پیشہ وکالت کو ایک مجبوری کا فریضہ سمجھتے ہیں خاص دلچسپی کا مشغلہ صرف شاعری ہے۔

زمانہ کی یہ شکایت عام ہے کہ وہ اکثر لوگوں سے انکی فطرت کے خلاف کام لیتا ہے اس دور میں چونکہ شاعری کی کوئی قدر و منزلت نہیں؛ اسلئے اس فن کے کاملین کسی دوسرے ذریعہ سے اسباب معیشت فراہم کرتے ہیں لیکن درحقیقت انکو جسقدر کلفت اس کام میں ہوتی ہے اسکا اندازہ انھیں کا دل کر سکتا ہے۔ رواں کے مجموعہ کلام میں زیادہ تر واقعات و حالات کا اثر پایا جاتا ہے چنانچہ یہ خیال بھی انکی ایک رباعی میں ملا جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باوجود طبیعت

وہ مطمئن نہیں۔

کرتے ہیں عزیز دوست عزت میری — کافی ہو ضرورتوں کو دولت میری
ظاہر میں تو کوئی وجہ کلفت کی نہیں — لیکن میں خوش نہیں یہ قسمت میری

شاعری کے واسطے اسکا ماحول بھی اُسکے مذاق کے موافق ہونا چاہیئے۔ اناؤ کی حالت ظاہر ہے عجب نہیں کہ یہ شعر بھی اسی درد سے متاثر ہو کر رواں کے دل سے نکلا ہو۔

گل ویرانہ ہوں کوئی نہیں ہے قدرداں میرا — تو ہی دیکھ اے مرے خلاق حسن رائیگاں میرا

رواں اپنی فطری شرافت کا ثبوت اپنے اخلاق سے دیتے ہیں نہایت منکسر نیک دل حلیم الطبع باادب ہیں متانت و شرافت اُنکی طبیعت کے خاص جوہر ہیں، نہایت سلجھا ہوا دماغ اور نکتہ رس طبیعت پائی ہے۔

شاعری

شاعری ملکہ وہبی و فطری ہے رواں بھی ابجد شروع کرنے سے پہلے موزوں طبع تھے اکثر بچوں سے موزوں الفاظ میں گفتگو کرتے تھے خاندان کے بزرگوں کیلئے انکی موزوں طبعی ایک مشغلہ تھا۔ اکثر فرمائشیں ہوتی تھیں کہ دیکھو یہ چڑیا دیوار پر بیٹھی ہے اسپر ایک شعر تو کہو یہ دو تین منٹ کے بعد ایک شعر نظم کر کے سناتے تھے اور خراج تحسین وصول کرتے تھے۔

۶ سال کی عمر تھی کچھ لڑکے آپس میں ایک کپڑے کے گیند سے کھیل رہے تھے اتفاق سے گیند ایک لڑکے کی تھاپی سے پھٹ گیا اور دور تک چلا گیا اندر کے

چھیچھڑے باہر نکل آئے۔ رواں کی موزونی طبع بھی اُبل پڑی فوراً ایک لڑکے کے نام یہ حکم صادر کیا گیا۔

ذرا گنبد میرا اُٹھا لائیے   بچے چھیچھڑے مجکو دکھلائیے

اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں اس تذکرہ سے صرف یہ مقصود تھا کہ شاعری و موزونی طبعی اکتسابی چیز نہیں سلسلہ تعلیم شروع ہونے کے بعد یہ شغل برابر جاری رہا تعلیم کے ساتھ شاعرانہ قوت بڑھتی گئی۔ مطالعہ نے اور فلسفیانہ قوت نے اسکو معراج کمال پر پہونچا دیا۔

شعریت محض ایک جوہر فطری ہے جسکو تعلیم و اکتساب سے کوئی علاقہ نہیں مگر قوت گویائی کا انحصار مشق پر ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ تکمیل فن کیلئے مطالعہ و اصلاح بھی اک ناگزیر کوشش ہے دانہ سے درخت کا نکلنا اور اسکی طاقت نشو و نما میں گل و ریحاں کا مضمر ہونا ایک قدرتی کرشمہ ہے لیکن آبیاری اور نگہداشت کے بغیر درخت میں وہ حسن پیدا نہیں ہو سکتا آجکل خود رو شعرا کی وہ جماعت جسنے مغربی چشموں سے اپنی پیاس بجھائی ہے فن اور اصول فن کی زنجیروں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اُن کی آزادی متقدمین کی تقلید گوارا نہیں کرتی مغربی علوم حاصل کرنے کے بعد شعر کا میدان بھی اُنکے نزدیک اُتنا ہی فراخ ہو جتنا فٹ بال یا ہاکی کا۔

مصنف روح رواں آجکل کے خود رو شعرا کی طرح اپنے کلام کو عیوب سے

پاک نہیں سمجھتے اور اس فن کو مستقل فن جانتے ہیں اس پختہ خیالی نے انکو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ کبھی کبھی کسی سے مشورہ سخن بھی کیا کریں چنانچہ سنہ ۱۹ء سے اُنھوں نے مجھے اپنے حلقۂ احباب میں داخل کیا انکے صفات و اخلاق سے مجھے بھی اُنکے ساتھ ایک خاص محبت ہوگئی، اب تک کبھی کبھی وہ مجھ سے مشورہ کر لیتے ہیں مگر درحقیقت وہ کائنات کی شعریت کو فطرت انسانی کی رفعتوں سے دیکھتے ہیں اور اُنکا مطمح نظر عام سطح سے بہت بلند ہو۔

رواں کے شعر کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی طرح میں غزل کہنے کے قبل تین چار روز تک اپنی طبیعت کو شاعرانہ خیالات سے مانوس کرتے ہیں کسی فلسفہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں یا کوئی فارسی دیوان دیکھتے ہیں جب مادہ میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے اور جذبات متحرک ہوجاتے ہیں اسوقت فکر کرتے ہیں دو تین گھنٹے میں غزل تیار ہوجاتی ہے زبردستی طبیعت کو شعر کی طرف متوجہ نہیں کرتے۔

خصوصیات کلام

(۱) جذبات

(۲) جوش و خروش

(۳) سائنس و فلسفہ و الٰہیات کے دقیق مسائل شاعرانہ پیرایہ میں بیان کرنا۔

(۴) انداز بیان میں ندرت و تازگی۔

(۵) سلاست و روانی
(۶) تخیئل فلک پیما۔ لیکن شعر اغلاق سے پاک۔
(۷) درد و تاثیر۔
(۸) احساس قومیت۔
(۹) اخلاقیات۔

یہ تمام خوبیاں رواں کے کلام میں قدم قدم پر نمایاں ہیں کلام میں محض شوکت الفاظ نہیں بلکہ معنویت کا دریا لہریں لے رہا ہے۔

رواں نے جدید انکشافات و فلسفہ و سائنس کے مضامین بکثرت اپنے اشعار میں نظم کئے ہیں اور اسطرح نہیں جسطرح ایک فلسفی یا سائنس داں مسائل حکمیہ بیان کرتا ہے بلکہ فلسفہ کے مسائل شاعر کی زبان سے ہیں اور رنگینی و اثر شعر میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ پرانے فرسودہ خیالات سے یہ مجموعہ پاک و صاف ہے جس کی نسبت خود کہتے ہیں سہ

جو زمانے کے خیالات ہیں کرتا ہوں ادا   جانئے آپ مری دور کی تصویر مجھے

شاعری مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے شاعر فقط اپنے جذبات نظم کرتا ہے اسلئے وہ خود متاثر ہوتا ہے اسکو کسی دوسرے کی تحسین کی پروا نہیں ہوتی اسی سبب سے شعر پر جن لوگوں نے عمیق نظر ڈالی ہے انھوں نے ایسے لوگوں کو جو دوسروں کے خیالات و جذبات نظم کرتے ہیں شاعر تسلیم نہیں کیا بلکہ خطیب بنایا ہے میں نے لسان العصر

حضرت اکبر مرحوم سے ایک مرتبہ یہ خیال ظاہر کیا کہ میں شعر فقط اپنے دل خوش کرنے کے لئے کہتا ہوں اس جملہ کی اُنھوں نے اسقدر قدر کی کہ اسکو ایک قطعہ کی صورت میں نظم کیا۔

نہ میرے لئے اور نہ تیرے لئے نہ اشعار ہیں یہ چیلے کے لئے
بہت خوب ہے قول ہادی عزیز کہ میں شعر کہتا ہوں اپنے لئے

حضرت شوق قدوائی اسپر معترض ہوئے کہ یہ کیا مہمل سی بات ہے۔ شعر ملک کے لئے کہنا چاہیئے یا اپنے لئے اس اعتراض کا ایک لطیف جواب حضرت اکبر نے مجھ کو لکھا۔

تم سے اُستادوں میں میری شاعری بیکار ہو
ساتھ سارنگی کا بلبل سے بہت دشوار ہو

بلبل کی نغمہ سنجی صرف اپنے نشاط طبع کے لئے ہوتی ہے اسکا مقصود دوسروں کو خوش کرنا نہیں ہوتا لیکن آواز کی دلکشی دوسروں کو محویت پر مجبور کرتی ہے لیلیٰ نے مجنوں سے عشق کی سفارش نہیں کی تھی۔ مگر حسن سیرت ہو یا حسن صورت دونوں میں فطرتاً ایک قوت جاذبہ ہے بعینہ یہی حالت شعر کی ہے یہ خیال رواں کے دلمیں بھی پیدا ہوا۔

کیوں کسی سے کیجئے آخر طلب داد سخن نغمہ سنجی مثل مرغان خوش الحان کیجئے

ہر شاعر کے کلام میں کچھ نہ کچھ اُسکے عہد کے خصوصیات نظر آئینگے۔

کلام رواں میں بھی آپ اس جوہر کو دیکھینگے جناب خود کہتے ہیں

ازل سے آئینہ بردار ہے دل شاعر، نہاں ہے شعر میں تاریخ ہر زمانے کی

اس مقدمہ میں مصنف کی دماغی کاوشیں دستہ گل کی صورت میں پیش کیجاتی ہیں نہ مصنف کا موازنہ اُسکے معاصرین سے کرنا چاہتا ہوں نہ مدح وستایش کے قصد سے لکھنا چاہتا ہوں صرف خصوصیات کلام کی طرف مجمل اشارات ہیں یاوہ گوئی اور مدح خوانی کے لایعنی دفتر کھولنا بے سود ہیں اسلئے کہ اب وہ روشن عہد ہے جس میں سخن کلام تک دوربین نگاہیں پہونچتی ہیں اور بال کی کھال کھینچ لیتی ہیں ملمع کاری یا حقیقت پر مصنوعی سفارش کی نقاب ڈالنے والے گندم نما جو فروش سمجھے جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کلام اپنے اصلی وزن سے بھی کم نظر آنے لگتا ہے اور شاعر کے دماغی قوتوں کا اعتدال بہت جلد فنا ہوجاتا ہے۔

خصوصیات کلام ظاہر کرنیکے بعد روح رواں پر ایک اجمالی نظر ڈالتا ہوں

اس مجموعہ میں حسب ذیل ترتیب ہے:

(۱) منظومات۔

(۲) غزلیات۔

(۳) متفرقات۔

(۴) قطعات۔

(۵) رباعیات۔

اُسی ترتیب سے پہلے نظموں کو دیکھئے۔ قدیم زمانے میں کمتر غزلیں اور بیشتر قطعات و مثنویات میں مسلسل مضامین پائے جاتے ہیں جنکی ترتیب مختلف عنوانوں سے اسوقت بھی موجودہ نظموں کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اب زمانے نے کروٹ لی۔ ہر چیز نے نیا روپ بدلا شاعری کے لئے نئے نئے سانچے نکلے۔ دور جدید کے جدت پسند شعراء نے نظموں پر زیادہ توجہ کی اور مختلف مضامین پر خامہ فرسائیاں ہونے لگیں لیکن تسلسل و روانی اور تخیل کی بلندی ہر شاعر کی نظم میں مشکل سے ملے گی۔

روح رواں کے حصہ اول میں کل ۴۰ نظمیں ہیں ابتدائی زمانہ کی بعض نظمیں مصنف نے خارج کردیں لیکن پھر بھی سنہ ۱۹۰۳ء سے دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء تک کی تمام نظمیں شامل ہیں اسمیں بھی اکثر نظمیں حذف کر دینے کے قابل تھیں کیونکہ کوئی خاص خصوصیت انمیں نہیں بلکہ اکثر خامیاں بھی موجود ہیں جنپر خود مصنف نے بھی نظر ثانی نہیں کی لیکن صرف اس خیال سے کہ کلام کا تدریجی ارتقا معلوم ہو جائے ان نظموں کو بجنسہٖ مصنف نے رہنے دیا۔

(۱) سرود عشق۔ انگریزی خیالات کا چربہ ہے۔

(۲) معماے فطرت۔ اس نظم میں مناظر قدرت کی حیرت انگیز تاثرات کا اظہار شاعرانہ پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ اور انکشاف حقیقت نہ ہونے سے شاعر کا پیچ و تاب بڑھتا ہے۔

وہ طبق انوار کا کہتے ہیں جسکو آفتاب   رازِ ہستی جہاں نشترزنِ رگہائے خواب

دوسرے مصرعہ میں آفتاب کو رازِ ہستی جہاں ۔ اور نشترزن رگہائے خواب
کہنا غیر معمول خیال ہو شعاعوں سے رگہائے خواب پر نشترزنی کتنی بدیع تشبیہ ہے

جنبشِ برگِ شجر سے تا بہ رفتارِ خیال   اس دلِ مضطر کو ہو ہر جنبش سے حیرِ کمال
صبح کاذب کا سماں یہ صبح صادق کا ظہور   جلوۂ رنگ افق میں نغمہ سنجی طیور

اسطرح مناظر کی مصوری کرتے کرتے حیرت ظاہر کیجاتی ہے

چل رہی ہیں ہر طرف کیونکر عناصر کی کلیں   جل رہی ہیں کسطرح شمس و قمر کی مشعلیں
خود بخود چلتی ہیں یا انکو چلاتا ہے کوئی؟   آپ ہی جلتی ہیں یا انکو جلاتا ہے کوئی؟

دونوں شعروں میں لف و نشر مرتب کیساتھ کسقدر بیساختگی ہے

(۳) شاعری ۔ ایک مختصر نظم ہے مگر نہایت پر مغز

رازدارِ ضبطِ دل اے پردہ دارِ رازِ نفس   کاشفِ اسرارِ باطن عکسِ سوز و سازِ نفس
رونقِ بزمِ جہاں اے جلوہ گاہِ شمعِ جاں   اے شبیہہِ دردِ دل تصویرِ جذباتِ نہاں

نظم کا ایک ایک ٹکڑا کسقدر معنی خیز ہے،

خونِ دل کھا کر بھی جسکو تیری نعمت لگ گئی   صدمہ جانکاہِ تنہائی سے فرصت مل گئی

کسقدر واقعیت کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے ۔ رفیع باڈل نے بھی اسی
مضمون کو ایک رباعی میں ادا کیا ہے۔

گر شعر نہ بال و ثروتم می بخشد   صد گونہ خوشی و لذتم می بخشد

در شعر ہمیں بود مرا بس کانی   از فکر جہاں فراغتم می بخشد

اسی موضوع پر رواں نے دوسری نظم بے نظیر کہی ہے جو صفحہ ۴ ۵ پر مندرج ہے اور تمام مجموعہ نظم کی روح ہے۔

شاعری کیا ہے اک احساس قوانین وجود   دل کے جذبات کا اظہار بتائید قیود

برہمن ہو دل شاعر بت فطرت معبود   جلوہ پیرائے ازل کا ہو یہاں حسن نمود

جب نظر راز کے پردوں سے گزر جاتی ہو

دل کے آئینہ پہ تصویر اتر آتی ہو

شاعر کے معنی پیدا کرنے والے کے ہیں اور شاعر ہی وہ مخلوق ہے جو خالق بھی ہے ان معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے جذبہ شاعری کو احساس قوانین وجود کہنا بلاغت کی آخری منزل ہے لفظ احساس نے شاعری کو قلب کی ایک کیفیت بتایا اور ادراک سے علیحدہ کرکے اس پر ترجیح دی۔ یہاں تحقیق و تدقیق کے بعد عقل اور دماغ کی امداد سے قوانین دریافت یا وضع نہیں کئے جاتے اور پھر انکو دیگر مسائل کے حل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا بلکہ براہ راست تمام اسرار فطرت و رموز و حقیقت کو بے نقاب کیا جاتا ہے دلیل اور بحث کو دخل نہیں جب ہی غلطی کا احتمال رہے ؎ دل کے آئینہ پہ تصویر اتر آتی ہو۔

لہذا جو احکام شاعری نافذ کرتی ہے ان میں چون و چرا کی گنجائش نہیں کیونکہ قیاس نہیں مشاہدہ ہے۔

دوسرا باریک نکتہ یہ ہے کہ قوانین وجود کہا گیا ہے یعنی حقیقت اشیاء کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔ سائنس ابھی تک قوانین فطرت کے دریافت کرنے اُنکا دائرہ اثر قائم کرنے اور انکی ترتیب و تدوین میں غلطاں پیچاں ہے۔ قوانین وجود تو بڑی چیز ہیں سائنس اکثر مسائل طبعی کا جواب نفی میں دیتا ہے یا وجود اشیا کا منکر ہو جاتا ہے۔

پہلے مصرع میں نفس شاعری سے بحث ہے دوسرے میں اسکا عملی یا موضوعی پہلو دکھایا ہے۔ شاعر نہ صرف قوانین وجود کو محسوس کرتا ہے بلکہ الفاظ یا نغمہ موزوں میں اپنے محسوسات کو بیان بھی کر دیتا ہے مگر وہی نغمے شاعری کے مقدس خطاب کے مستحق ہیں جن میں حقیقت یعنے قوانین وجود کی ترجمانی ہے۔

شاعری کے وضعی اور موضوعی پہلو ہو گئے۔ اسی شعر کے آخری ٹکڑے میں یہ بتا دیا گیا کہ فن شاعری کیا ہے۔ قیود کی تائید اور پابندی کے ساتھ ساتھ یعنی وزن و قافیہ قائم رکھتے ہوئے اظہار جذبات ہو ورنہ شاعر کا خطاب نہیں مل سکتا۔ یہیں سے نثر کے تمام اقسام دائرہ شاعری سے خارج ہو گئے۔ خواہ کتنے ہی موثر اور جذبات گوناگوں سے لبریز ہوں۔ (اگرچہ جدید تحقیق کے مطابق تخیل جو شعر کا قوی عنصر ہے نظم و نثر کی قید سے بری ہے)

"تائید قیود" کو ذہن نشین کر کے تیسرا مصرع پڑھیئے

ع ۔ برہمن ہو دل شاعر بت فطرت معبود

تشبیہ کی لطافت وندرت کے علاوہ نفسیات کے اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہو کہ انسان کے علم کی ابتدا خارجی اشیاء سے ہو کر انتہا اپنی ذات کے علم و معرفت پر ہوتی ہے جسکے بعد معرفت باری عز اسمہ کا درجہ ہو۔

دل شاعر برہمن ہے جو اصنام فطرت کی پرستش کرتا ہو تمام مجاز دائرہ شاعری میں آگیا۔ مگر مجاز میں اسقدر دلکشی کیوں ہے اسکا جواب چوتھے مصرعہ میں ہو ع

جلوہ پیرائے ازل کا ہو یہاں حُسن نمود

اب مکان سے لامکان تک شاعری کے جولانگاہ ہو گئی ۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ حجاب ظاہری آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ جائیں یا رواں کے پُراثر الفاظ میں نظر راز کے پردوں سے گزر جائے اور شاہد حقیقت کی تصویر دل کے آئینے میں اُتر آئے اسکو اصطلاح سلوک میں عین الیقین کہتے ہیں۔

دل کو برہمن اور فطرت کو بت کہنے سے جو بے شمار خوبصورت مناظر جن میں ہر ایک تجلیات و معانی سے لبریز ہے آنکھوں میں پھرنے لگتے ہیں انکی صراحت ناممکن ہے صرف دل مزے اُٹھاتا ہو۔ پھر ان روشن مظاہر میں ایک ایسی برق حسن چمکتی ہے کہ یہ تمام نقش و نگار محو ہو جاتے ہیں صرف پرتو حسن ازل رہ جاتا ہو یہ مناظر دراصل نور حقیقت کے پردے تھے جن کو اُٹھا کر دل حریم

حسن میں داخل ہوا۔ اب دل دل نہیں رہا بلکہ ایک آئینہ ہے جس میں
حسنِ مطلق اپنے جلوے دیکھتا ہے۔

دوسرا بند

اسی تصویر کا ایک رخ ہے یہ دنیائے لطیف — ناظمِ کون و مکاں ہے یہ ہے اسکی تعریف
ہے زباں اسکے ادا کرنے کو اک جزو ضعیف — منبرِ بارگہِ خاص ہے یہ فنِ شریف

پردۂ اسرارِ مجازی کا اُٹھانے والا
آئینہ رُوئے حقیقت کو دکھانے والا

پہلے بند سے یہ ثابت ہوا کہ دل خلاصہ انوار مظاہر ہے لہٰذا اس تصویر کا
ایک رُخ یہ دنیا ہوئی۔ سائنس کے مساعی میں سب سے اہم یہ کام ہے کہ موجودات
عالم میں جو بظاہر متضاد اور ایک دوسرے کی مخالف قوتوں کا ہنگامہ برپا ہے
نظام قائم کرے یہ ثابت کرے کہ تفرق میں ترتیب اور ترتیب میں تفرق ہے
جمادات نباتات حیوانات کا تجزیہ کر کے واضح کر دے کہ سب ایک ہی اصل
سے وابستہ اور ایک جوہر کے مختلف مظاہر ہیں مادی چیزوں کی ترتیب میں
سائنس ایک حد تک کامیاب ہوا ہے مگر جہاں ابتدا و انتہا کا سوال آجاتا ہے
کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ یہ دل شاعر ہے جو ناظمِ کون و مکان ہے اور
مجاز و حقیقت میں ربط پیدا کر دیتا ہے مجاز ایک آئینہ ہے جس میں عکس حقیقت
نظر آتا ہے جیسا بیان کر چکا ہوں تصویر کے دو رُخ ہیں ایک مجازاً ایک حقیقتاً

بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ دیدۂ بینا میں حقیقت ومجاز کا امتیاز ظاہری اور بے بنیاد ہے حقیقت ہی حقیقت ہے میر نے کیا خوب کہا ہے۔

جو خوب دیکھو تو ساری وہی حقیقت ہے
چھپانا چہرے کا عشاق سے تکلف تھا

تیسرے مصرع میں شاعری کے متعلق ایک اور اہم بات بتائی گئی ہے دل شاعر جو کچھ محسوس کرتا ہے اُسکا عشر عشیر بھی صفحۂ قرطاس پر منتقل نہیں ہوتا۔ اُس مختصر جذبات کی مصوری کو الفاظ ناکافی ہیں نطق بیکار ہے۔ باقی تین مصرع کسی خاص شرح کے محتاج نہیں بجز اسکے کہ دل شاعر ایسا آئینہ ہے جس میں جلوۂ دوست منعکس ہے۔

چوتھے بند میں اسکی مزید وضاحت ہے

دل ہے شاعر کا کہ اک منزل انوار جمال　　　اور جولانگہ دل وسعت میدان خیال
نغمہ زن ہوتا ہے جب مستِ سخن صاحبِ قال　　　بزم فطرت میں ہر اک چیز کو آجاتا ہے حال
کوہ جھک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے
چشمے رک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے

منزل انوار جمال کی خوبصورت ترکیب کے ساتھ ساتھ لفظ منزل کے لفظی معنی (جائے نزول) نے جو معنویت پیدا کی ہے غور طلب ہے۔ انوار جمال دل کے سوا اور کہیں قرار نہیں لیتے (کیونکہ دل آئینۂ جمال ہے پیشتر کے بند میں ثابت

ہوچکا) اس بند کی بیت تعریف سے مستغنی ہے کوہ میں بلندی ہے مگر جھکنے کی صلاحیت
نہیں۔ چشمے میں روانی ہے رُکنے کی قدرت نہیں۔ مگر جب وجد کا عالم ہوگا جیسا
چوتھے مصرعہ میں ادّعا ہے تو پہاڑ یقیناً جھک جائینگے اور چشمے رک جائینگے
اسوقت یہی ان کی فطرت ہوگی حقیقت اشیا سے اس طرح گفتگو کرنا کہ خارق
الفطرت باتیں ممکن الوقوع ہو جائیں شاعری کی معراج کمال ہے اور شاعرانہ
عظمت کا دار و مدار اسی پر ہے۔

پانچواں بند

نورِ شمع دل و جاں دائرۂ شعر میں ہے — وسعت کون و مکاں دائرۂ شعر میں ہے
جلوۂ برق تپاں دائرۂ شعر میں ہے — الغرض سارا جہاں دائرۂ شعر میں ہے
جس بلندی پہ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں
سچے شاعر اُسے ٹھکراتے ہوئے چلتے ہیں

الفاظ کی نشست مصرعوں کی بے ساختگی اور اُسی کے ساتھ روانی اور
جوش و خروش قابل داد ہے بیت میں شاعر کے ساتھ "سچے" کی قید نے کسقدر
بلاغت پیدا کی ہے۔

دو بند اور سُن لیجئے۔

پیاری اُردو تری محفل میں سخنور کم ہیں — سنگریزے تو بہت ملتے ہیں گوہر کم ہیں
چوٹ لگجائے جن اشعار سے دلپر کم ہیں — جن میں پنہاں ہوں خیالات کے دفتر کم ہیں

میں سمجھا تھا فقط معنیٔ اسرار سخن
ختم غالب پہ ہوئی گرمیٔ بازار سخن

موجودہ شاعری پر ایک فاضلانہ نقد و تبصرہ ہے۔

اللہ اللہ یہ ہے وسعت دامانِ غزل — ختم پہنائے دو عالم پہ ہے پایانِ غزل
بلبل و گل ہی پہ موقوف نہیں شانِ غزل — پوچھئے حافظِ شیراز سے امکانِ غزل

ضبط ہے آئینۂ رازِ حقیقت اس میں
یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا کی ہے وسعت اسمیں

اس بند کا جواب نہیں۔ موجودہ دور کے بعض حضرات غزل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُنکے واسطے یہ بند سبق آموز ہے اگر اسکی شرح کی جائے تو مقدمہ مستقل ایک کتاب ہو جائیگا جس کی گنجائش نہیں۔ اور ابھی بہت کچھ لکھنا ہے یہ نظم ایک خاص موقع پر پڑھی گئی تھی باقی بندوں میں اظہار انکسار و تشکر انکو چھوڑتا ہوں اور بقیہ نظموں پر ایک اجمالی تبصرہ لکھتا ہوں۔

(۵) تتلی۔ اس موضوع پر عہد جدید کے اکثر شعرا نے طبع آزمائی کی ہے یہ ان کی ابتدائی مشق سخن کا نمونہ ہے۔ تاہم لطف تشبیہات و حسن تعلیل سے کوئی شعر خالی نہیں ملاحظہ ہو۔

اڑتا پھرتا ہے ہوا پر ساغرِ زریں کوئی — کر رہی ہے سیر یا معشوقِ رنگیں کوئی
باعثِ حیرت ہے رنگینی تری ہم کیا کہیں — پھول اک اڑتا ہوا یا تاج چھوٹا سا کہیں

کر رہی ہیں رنگ یا خود سیر دوش باد پر   ٹکڑے یا قوس قزح کے اڑتے آتے ہیں نظر

پھول یا رنگ کا دوش ہوا پر اڑنا کسقدر عمدہ تشبیہات ہیں نظم کے آخر حصہ میں بچپنے کی ایک تصویر دکھائی ہے۔

کوششوں سے بھی ہمارے ہاتھ کب آتی تھی تو   تجھ تلک جب کہ پہنچتی تھی کہ اڑ جاتی تھی تو

(۶) لاوارث بچہ۔ یہ نظم مصنف نے ایک خاص واقعہ سے متاثر ہو کر قلمبند کی تھی۔ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سب انسپکٹر کے پاس تھانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ چوکیدار ایک بچہ لایا جسکی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۰۔۱۲ گھنٹے کی تھی۔ بچہ نہایت حسین اور کسی شریف عورت کے بطن سے معلوم ہوتا تھا چوکیدار نے بیان کیا کہ یہ بچہ ایک گھورے پر پڑا تھا۔ اس موقع پر ایک شاعر کے جذبات میں جو تحریک پیدا ہو سکتی ہے وہ اس نظم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ شاعر کا احساس عام لوگوں سے زیادہ مشتعل ہوتا ہے وہ کائنات کا ذرہ ذرہ دوسری نظر سے دیکھتا ہے بیجان پیکروں سے باتیں کرتا ہے در و دیوار سے مخاطب ہوتا ہے غور و فکر اسکی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے اسلئے سطحی نظر سے وہ کسی چیز کا مطالعہ نہیں کرتا۔ مجھے بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا عرصہ ہوا بنارس میں ایک بجرے پر طلوع آفتاب سے پہلے چند احباب کے ساتھ دریا کی سیر کر رہا تھا اُدھر سپیدۂ سحری ادھر آب رواں ایک خاص منظر پیش کر رہے تھے کہ موجوں کی روانی میں ایک حسین بچے کی لاش نظر آئی جو پانی کے تھپیڑوں میں بہتی چلی جا رہی تھی وہ پھول سا

نازک تر پیکر ایک عالم انقلاب میں تھا موجوں کے زبردست ہاتھ اُسے تہ و بالا کر رہے تھے اُسوقت بے اختیار چند شعر موزوں ہوگئے اسیطرح یہ نظم بھی اپنے نقش میں مشاہدات کا رنگ بھرے اُٹھے ہے۔ ملاحظہ ہو

آہ اے نو وارد بزم ربا طار روزگار — آہ اے تازہ اسیر گردش لیل و نہار
آہ اے دیباچہ شرح کتاب درد دل — آہ اے عنوان باب اضطراب جانگسل

اس قسم کے خطابیہ اشعار سے یہ نظم شروع ہوتی ہے اور تسلسل دائرہ کے اعتبار سے ایک موتیوں کی لڑی ہے۔ خطاب کے بعد شاعر پوچھتا ہے۔

سچ بتا بچے! ترا وارث ترا والی ہے کون — پھول ہو تو کس شجر کا اور ترا مالی ہے کون
سچ بتا بچے تجھے خاک وطن کا واسطہ — پھول ہے تو جس چمن کا اس چمن کا واسطہ
اختصار طول آزار نہانی سچ بتا — اے خمار بادۂ کیف جوانی سچ بتا
کیا اُڑا لائی کسی گلزار سے تجکو صبا — پھول ٹوٹتے ہیں جہاں ایسے ہی بید اُٹھنا

اسکے بعد شاعر پوچھتا ہے

حیف کیا میں مان لوں دنیا کے لوگوں کی دلیل — تجھ کو سمجھوں ثمرۂ بدکاری نفس ذلیل

دوسرے شعر میں اخلاقی سبق ہے۔

حیف ہے لیکن اگر لوگوں کا کہنا ٹھیک ہے — حیف ہے گر آدمی کی عقل یوں تاریک ہے
باپ ماں کے نفس سرکش کی کہانی ہائے ہائے — اے معاذاللہ بچے کی زبانی ہائے ہائے

اسکے بعد چند اشعار میں اُسکی ماں کی بیرحمی اور بیدردی پر افسوس ہے غرض

تمام نظم میں جذبات کی ترجمانی اک حُسن خاص سے کی ہو۔

(۷) شوہر کش حسینہ۔ ۱۹۱۵ء میں جب رواں الہ آباد میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اُسی زمانہ میں ایک عورت اپنے شوہر کے جرم قتل میں ماخوذ تھی واقعہ خود جذبات کو برانگیختہ کرنے والا تھا اسلئے شاعر نے دل کھولکر شاعرانہ رنگ میں دکھایا ہے اور داد سخن گستری دی ہے۔ ایک طرف قاتل کے خداداد حُسن سے دل مسحور ہے دوسری طرف مقتول کی ناکردہ گناہی اور حُسن کی ستم پروراداؤں سے شکوہ ہے رنگینی کے ساتھ تمام نظم ایک اخلاقی سبق ہو

(۸) ویران قصر شاہی اور ہم۔ قدیم تاریخی عمارتیں بھی مناظر قدرت کی طرح جذبات کی محرک ہوتی ہیں فلک نما قصور اور ایوان سلاطین میں اگر گزر ہو تو ممکن نہیں کہ انکی دیرینہ عظمت وشان کا نقشہ آنکھوں میں نہ پھر جائے فتحپور سیکری میں مصنف نے اکبر کے محل کو دیکھ کر یہ نظم کہی اور اُسمیں اُنھیں جذبات کی ترجمانی کی ہے جو ایسے مواقع پر فطرتاً دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

اُجڑے محلوں سے جو آتی ہو صدا بازگشت — طرفہ افسانے سناتی ہو صدائے بازگشت
پہلے کچھ احکام سلطانی سناتی ہو مجھے — قصۂ شان جہانبانی سناتی ہے مجھے
ہمسے پوچھے آکے کوئی اُجڑے ایوانوں کا حال — انکے ساکن کون تھے؟ اور کیا ہوا انکا مآل
ذرہ ذرہ میں یہاں کے جوہر تقریر ہے — رہنے رہنے میں یہاں کے نطق کی تاثیر ہو

اسکے بعد سلاطین ماضی کے شجاعت کے کارنامے کس دلکش انداز سے بیان

گئے ہیں۔

اسطرح کہتا ہو اک ہڈی کا ٹکڑا برملا　　عالم فانی کا ہو مجھ میں تماشا برملا
ہیں وہ پنجہ ہوں کہ جنمیں آکے تیغ آبدار　　شیر افگن صف شکن مردوں کو کردیتی تھی خوار
سرکشان رزم پر آشوب شیر کارزار　　تھام لیتے تھے کلیجہ جب مرا پڑتا تھا وار

جیسا مضمون ہو اسکو ویسے ہی الفاظ میں ادا کرنا ہر شاعر کا کام نہیں الفاظ کی ترتیب و تہذیب اور ترکیبوں اور بندشوں کی چستی میں خاص سلیقے کی ضرورت ہے اور یہ سب باتیں صرف فطری شاعر کو میسر ہو سکتی ہیں جسکے کان فصاحت و بلاغت کے رموز سے قدرتاً آشنا ہوتے ہیں۔ میر انیس کی شاعری کا یہ ایک خاص امتیاز ہے۔ مندرجہ بالا اشعار میں شوکت الفاظ کسقدر مناسب مقام ہے ع

سرکشان رزم پر آشوب شیر کارزار

الفاظ کے پیچھے ایک ہیبت طاری کر دی ہے۔ ان اشعار کے بعد یہ خیال ادا کیا گیا ہے کہ امتداد زمانہ اور نیرنگی روزگار سے ہم اپنے اجداد کے نام بھی بھول گئے اور اسطرح ہماری اولادیں ہمکو بھول جائینگی۔ اسی عاقبت اندیشی سے قبروں کی تعمیر ایک پسندیدہ آئین ہے تاکہ طول زمانہ ہماری یادوں سے فنا نہ کردے لیکن افسوس ان مزاروں کے نشان بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے دو شعروں پر نظم ختم ہوتی ہے۔

ہیں اجڑی بستیاں صفحات تاریخ قدیم　　ان کو ویرانہ نہ سمجھو ہیں یہاں خفتہ مقیم

کوئی کیف عبرت آموزی کا متوالا تو ہو — صاف آتی ہیں نظر ہاں دیکھنے والا تو ہو

(۹) معجزۂ انتظار - ایک عورت کے انتظار کی تصویر ہے جسمیں محاکات کا کمال ہر مصرع سے ظاہر ہوتا ہے۔

وقت غروب آفتاب حالت انتظار میں — بیٹھی ہے ایک مہ جبیں محو خیال یار میں
اُلجھے ہوئے ہیں کاکل بال جامہ تمام پر شکن — چہرہ پہ ایک سادگی جس میں ہزار بانکپن
وعدۂ شام ہے ختم ہو اب فراق دوست — اسلئے اور تیز ہے آتش اشتیاق دوست

ذیل کے شعر میں منتظر کے حقیقی جذبہ کی تصویر کتنی سادہ لفظوں میں کھینچی ہے

کوئی صدا سنی اگر لئے کہا وہ آگئے — کوئی چلا ادھر اُدھر لئے کہا وہ آگئے

(۱۰) گنگا کنارے کی شام - یہ نظم منظر قدرت کا ایک آئینہ ہے اشعار ذیل کسقدر واقعہ سے مطابق اور سلاست و روانی سے ہمدوش ہیں۔

اُف یہ فضائے دریا ٹھنڈے ہوا کے جھونکے — موجوں کا چلبلا پن فطرت کے یہ کرشمے
معلوم ہو رہا ہے پانی ہے اس جگہ تک — ملتا ہے آسماں خود جھک کر جہاں ہے
آئینہ ہے کہ پانی اللہ ری دلفریبی — ایک آسمان اوپر ایک آسمان نیچے
پانی کے دائروں کی موجوں کا آکے ملنا — دونوں کا ملکے چلنا ایک آگیا ایک پیچھے

(۱۱) عظمت توبہ - یہ مختصر نظم نہایت معنی خیز اور جذبات سے لبریز ہے۔

انسان پر اُسکا نفس سرزنش کرتا ہے۔

نماز و سجدہ میں کٹی ہے محسوس ایک شرمساری — جبین بندگی پہ [illegible]

ستاتا ہے مجھے حکمِ سزا میرا ضمیر اکثر　　اُلجھ پڑتا ہے روحِ پاک سے خاکی خمیر اکثر

نتیجہ میں وہی ندامت اور مایوسی ایک احساس پیدا کرتی ہے۔

جب اس انداز بیتابی سے دل مایوس ہوتا ہے　　تو ہلکا سا تموّج قلب کو محسوس ہوتا ہے
عناصر ہنستے ہیں دنیا کی وحشت مسکراتی ہے　　بدن کے ہر بُنِ مو سے یہی آواز آتی ہے
خود اپنے ہاتھ سے اپنا ہی دل پامال کرتے تو　　یہی بہتر ہے اپنے جرم کا اقبال کر لے تو
تمام آلائشوں سے روح کو میں پاک پاتا ہوں　　دلِ پُر نور میں اک عظمتِ ادراک پاتا ہوں

یہ شعر ایک اخلاقی موعظہ ہے۔

بعض نظمیں مصنف نے مواقعِ خاص پر نظم کی ہیں مثلاً

بسترِ بیمار ۔ یہ نظم مصنف نے حیدرآباد میں اپنے ایک دوست کی حالت سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

عبرت ۔ سنہ ۱۶ء میں یہ ناتمام نظم الہ آباد میں ایک خاص واقعہ سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

مریضہ ۔ مصنف کے اعزّہ میں ایک لڑکی تھی جس کو اسکے والدین فرطِ محبت سے اپنے گھر نہیں جانے دیتے تھے مصنف نے یہ محسوس کیا کہ اُس پر یہ قید گراں ہے اور وہ ملول رہتی ہے مگر والدین کو اُس پر مرض کا اشتباہ تھا۔

الوداع ۔ لارڈ بائرن کی نظم A [illegible] کا ترجمہ ہے یہ سب سے پہلی نظم مصنف کی ہے۔ اور اُن کو اعتراف ہے کہ بائرن جیسے باکمال شاعر کا مذاقِ سخن

مجھ سے ترجمہ میں ظاہر نہ ہو سکا۔ صرف ابتدائی کوشش کا ایک نمونہ سمجھ کر اس مجموعہ میں شامل کر دیا۔

غزلیات

اصناف سخن میں کسی صنف میں یہ وسعت نہیں جو غزل میں ہے اسی کے دامن میں دونوں جہان کی وسعتیں نظر آتی ہیں۔ اور یہی صنف سخن آسان سے آسان اور مشکل سے مشکل ہے۔ تغزل پر شعرائے ایران و ہندوستان نے اس کثرت سے خامہ فرسائیاں کی ہیں کہ اب قدم آگے بڑھانا مشکل نظر آتا ہے مگر بقول عرفی

زبان زنکتہ فرو ماند و راز من باقیست
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

مبداء فطرت کی فیاضیاں محدود نہیں جب تک سلسلہ عالم کی کڑیاں متحرک ہیں۔ دل و دماغ اُسکی قدرت کا جولانگاہ بنے رہینگے اور اُوہی معجزات کا ظہور ہوتا رہیگا۔

رواںؔ کے خصوصیات کلام کو ظاہر کر چکا ہوں مگر نظموں سے زیادہ اُن خصوصیات کا اظہار غزلوں اور رُباعیوں میں ہوتا ہے۔ غزلیات میں کہیں فلسفہ

واخلاق کے مسائل ہیں مگر رنگ تغزل میں ڈوبے ہوئے۔ کہیں تصوف کی عرفان زا تجلیاں ہیں کہیں روحانی نغمے۔ کہیں وجدانی ترانے جنکے ساتھ روانی وسلاست اور جوش وخروش سوز وگداز کی بہتر سے بہتر تصویریں اس کاغذی پیرہن میں پائیے گا۔ ورد ہر شاعر کا حصہ نہیں۔ رقص کرنے والے اشعار کہنا ممکن۔ مگر دردِ دل پیدا کرنا محال ہو۔

مقدمہ طولانی ہوتا جاتا ہے اسلئے نہایت اختصار کے ساتھ اُن اشعار کی طرف مجمل اشارات کرونگا اگرچہ غزلوں میں بیشتر اشعار ایسے ہیں جنکی لطافتیں اور نزاکتیں اس قابل ہیں کہ ضبط تحریر میں لائی جائیں مگر مجبور ہوں۔ اب خزانہ رواں کے جواہر پارے آپکے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(۱) عشق کی سراسیمگی میں اُنکے نظارہ کیلئے منتشر شیرازہ حواس جمع کر رہا تھا کہ دفعتہً اُنکا سامنا ہوگیا اس مضمون کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہو کہ شعر محاکات کی بےنظیر تصویر بنگیا ہو

میں یکجا ہی کرتا تھا اپنے حواس   کہ انکا مرا سامنا ہوگیا

(۲) انسان باوجود اسکے کہ اپنی ہستی کو فانی سمجھتا ہے اور موت کا آنا ناگزیر مگر پھر بھی غافل ہے۔ یہی وہ راز ہے جسمیں ہیں تمام نظام آفرینش مستتر ہے

جہاں تک زیست کا مآل ہے اجل کو رد ہو رد   پھر بھی ہیں محو عیش ہم یہ بھی عجیب ماجرا ہو

(۳) ۔رواں کے بعض اشعار میں انداز بیان کی ندرت شعر کو نیا لباس پہنا دیتی ہے ملاحظہ ہو۔

یہ تو ہو بات ہی کچھ اور کہیں کچھ نہ کہوں
ورنہ کیا مجھ پہ جو گزری ہے مجھے یاد نہیں

(۴) ذیل کے شعروں میں زبان کا لطف اور بیان کی شگفتگی دیکھئے۔

آخر امکانِ وفا کی کوئی تدبیر بھی ہو
تم تو ہر وعدہ کو کہتے ہو یقیں یاد نہیں

دیکھیں گرتی ہے قفس پر کہ چمن پر بجلی
آج یاں ہی نہیں یا مرا صیاد نہیں

(۵) شاعر رازِ حقیقت دیکھنا چاہتا ہے اور ان تجلیات کے نظارہ کیلئے بےچین ہے جو اسکی نظر سے پوشیدہ ہیں شوقِ دید روز افزوں مگر کچھ نظر نہیں آتا اس الجھن کو کتنے موثر لفظوں میں ظاہر کیا ہے

کیا غضب ہے ہوں تو آنکھیں دیکھنے کے واسطے
اور ہم چاہیں کہ کچھ دیکھیں مگر دیکھا نہ جائے

(۶) تصوف کے رنگ میں کیا لطافت پیدا کی ہے ہماری بے مائیگی خود ہمارے لیے سبق آموز ہے

آنکھیں کھلیں جا پہنچی اس بے مائیگی کو دیکھ کر
خیر اسی میں ہے کہ قطرہ جانب دریا چلے

(۷) بعض مسائل کو شاعرانہ انداز میں اس خوبی سے نظم کیا ہے کہ اس عقیدہ کے مخالف بھی داد دینے پر مجبور ہیں۔ تناسخ کے فرسودہ مسئلے کو کتنا حسین جامہ پہنایا ہے۔

اس قالب انسان میں کیا ہے یہ ترقی کی
آوارہ منزل ہوں آوارہ منزل تھا

مرگ بے ہنگام کہتے ہیں جسے آج اہل درد   کل یہی صورت بدل کر زندگی ہو جائیگی
نہ گل ہوئی ہے نہ شمع حیات گل ہو گی   ہزار بار یونہیں انجمن میں آئی ہے

(۸) اُسکا مٹا دینا درحقیقت ہم پر احسان ہے کیونکہ ایسی بیکسی و نامردی کی زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔ اس شعر میں "با دل خوں گشتہ" ایک یاقوت جڑا ہوا ہے۔

وہ مجھکو مٹاتے ہیں احسان نہیں کرتے؟   میں با دل خوں گشتہ مٹنے ہی کے قابل تھا

(۹) اشعار ذیل کا حُسن بیان داد طلب ہے۔

اسی کو نعمت حُسن بیاں بھی کہتے ہیں   کہ چپ بھی رہتے ہیں اور داستاں بھی کہتے ہیں
جہاں قدم نہیں رکھتے کسی کے دیوانے   اسی زمین کو ہم آسماں بھی کہتے ہیں
کسی طرف نظر یاس کر کے رو دینا   مری زباں میں اسکو فغاں بھی کہتے ہیں

(۱۰) بعض جگہ فلسفہ کے خشک مسائل بھی نظم کر دیے ہیں جن کو جذبات سے کوئی علاقہ نہیں۔

گر یہی آئین فطرت ہے تو اے طبع سلیم   کیوں کسی کی موت پر آنسو بہانا چاہئے

(۱۱) دنیا کی بے ثباتی کس پیرایہ میں ظاہر کی ہے۔

خلق ہے محو تماشا اور تماشا بے وجود   اپنی صیقل دیکھ لے آئینہ ساز زندگی

(۱۲) حوادث کیطرف کس بلیغ انداز سے اشارہ کیا ہے

دیکھ کتنی بجلیاں رہتی ہیں سرگرم طواف   آہ اے آسودۂ ایوان ناز زندگی

(۱۳) کلام رواں میں اکثر اشعار روح انسانی کے حقائق و معارف کا اظہار کرتے ہیں اور معرفت کی اصلی شان دکھاتے ہیں۔

سنگ زمین کعبہ خود بڑھ کے جبیں کو چوم لے
ایسے بھی چند سجدے ہیں ناصیۂ نیاز میں

ناخن امتیاز کی عقدہ کشائیاں کجا
آپ میں راز بنگیا سعی کشود راز میں

(۱۴) اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ دنیا کا ایک ایک نقطہ لبریز حقیقت ہے اُن حقائق کا انکشاف کوئی فلسفی اسطرح نہیں کر سکتا جس طرح رواں کے اشعار میں ہے۔

نہیں ہے چشم انساں در خور کیف نظر ورنہ
ہر اک خاموش نقطہ میں ہے عالم محشرستاں کا

وہ عالم گر نظر آجائیں جو آنکھوں سے نہاں ہیں
ابھی سارا بھرم کھل جائے دنیائے نمایاں کا

(۱۵) شاعری کا انتہائے کمال یہ ہے کہ غیر مرئی چیزوں کو اس انداز سے بیان کردے کہ اسکی تصویر نگاہوں میں پھر جائے۔ رواں کے اشعار میں بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے۔ باد بہاری کا کام پھولوں میں شگفتگی پیدا کرنا ہے۔ مگر شاعر کہتا ہے کہ جہاں سے باد بہاری کو مسیحائی کا منصب عطا ہوا ہے اپنے پژمردہ دل کو وہیں کیوں نہ لیچلیں۔

چلو وہیں دل پژمردہ لیچلیں اپنا
جہاں سے باد بہاری چمن میں آئی ہے

اسیطرح میں ایک صاف شعر ہے مگر اثر سے لبریز

ارے مرے دل خنداں کو رلانے والے
بہت دنوں میں بہار اس چمن میں آئی ہے

(۱۶) انسان مظہرِ صفاتِ الٰہی ہے اسکی حقیقی عظمت و قوت اگر آپ دیکھنا چاہیں
تو رواں کے اشعار میں دیکھیے۔

مضمر ہیں میری ذات میں اسرارِ کائنات
میں آپ راز آپ ہی خود شرحِ راز تھا

یقیناً وسعتِ امکانِ انسانی یہاں تک ہے
کہ میدانِ تخیل اسکا زمیں سے آسماں تک ہے

فنا ہو کر بھی ذرے خاک کے پرواز کرتے ہیں
رواں یہ قوتِ نشو و نما سب کے پیکر میں

وہ بادہ نوشِ حقیقت ہے اس جہاں میں رواں
کہ جھوم جائے فلک گر اسے خمار آئے

اتار دیتے ہیں لاشہ مرا کہاں احباب
یہ آسماں نہیں اس زمین کے قابل

ہمیں کا ذکر کرتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں
فرشتے بھی نہیں کرتے جو آدم زاد کرتے ہیں

(۱۷) فلسفہ غم کے حقیقت شناس غم کو انسانیت کی روح سمجھتے ہیں۔

بچشمِ غور وہ رنج کہ انساں بنا دیا
منت پذیر ہو لیا ستمِ روزگار کا

اس طلسمِ آب و گل (انسان) میں کتنی قوتیں پنہاں ہیں مگر انسان غافل ہے
شاعر خبردار کرتا ہے۔

تجھے تو نے کبھی سوچا ہوا اے آب و گل
کیا تجھ سے امیدیں تھیں اور کیا نظر آتا ہے

(۱۸) غربت میں اپنے آشیانہ کی آرائش کا خیال ایک فطری جذبہ ہے
زنداں میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ آج باغ میں بجلی گری اس ذکر پر قفس نصیب کو
صرف یہ مسرت ہوئی کہ آج میرے تاریک آشیانے میں بھی روشنی ہو گئی ہوگی
دوسرا مصرع کتنی بیساختہ خوشی ظاہر کرتا ہے۔

تذکرہ زنداں میں ہو گلزار پر بجلی گری — آج میرے آشیاں میں روشنی ہو جائیگی

(۱۹) کفر و اسلام کے قیود سے شاعر آزاد ہی سکو کس تہذیب سے ادا کرتا ہو۔

تسبیح کے میں قربان زنار کے میں صدقے — دونوں میں مگر مجکو پھندا نظر آتا ہے

(۲۰) خودداری سے عالمِ وجود کی شرح کرنا کسقدر نادر اور نازک خیال ہو اور کس رنگین پیرایہ میں ظاہر کیا ہو۔

ہمنوا کوئی ترانہ سازِ خودداری کا چھیڑ — ہو رہیگی یونہیں شرحِ عالمِ ایجاد بھی

(۲۱) ہماری ہستی خود حائلِ وصال ہی جیسا حافظ نے کہا ہو

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

رواں نے بھی اسی خیال کو ادا کیا ہو۔

ہیں ہستی اسی ہستی کے کچھ ٹوٹے ہوئے رشتے — وگرنہ ایسا پردہ بیچ انکے درمیاں کیا تھا

دوسرا شعر اس سے بہتر انداز میں کہا ہو

سدِّ انوارِ حقیقت ہو مرا پردۂ زیست — توڑ دینا ہے یہ آئینۂ تصویر مجھے

(۲۲) میخانہ مدرسۂ معرفت ہے اور اسکے ساز و سامان سے عرفان کا درس مل رہا ہے اس تخییل کو عجیب نادر لباس پہنایا ہے اور ایسی بے نظیر تصویر کھینچی ہو جس سے مصور کا موقلم عاجز ہو۔

تڑپتی پھرتی ہو اک برقِ عرفاں میکدہ بھر میں — کبھی مینا میں خم سے اور کبھی مینا سے ساغر میں

(۲۳) ایمان کی تکمیل آسان نہیں اس مفہوم کو کس حسن سے ادا کیا ہے

شعاعِ نورِ ایماں دل تک آتے دیر لگتی ہے — بڑی دشواریوں سے روشنی ہوتی ہے اس گھر میں

(۲۴) طولِ شبِ فراق سے عاشق کا دل جب گھبراتا ہے تو یہ کہکر دلکو تسلی دیتا ہے

گلہ فضول ہے طولِ شبِ جدائی کا — بہت سی آئیں ہوئیں ایک کی سحر نہ سہی

(۲۵) اس شعر کی حسرت دیکھو۔

ذرا کمی تو کرے شام کی اداسی میں — چراغِ گور نہ دے ساتھ رات بھر نہ سہی

(۲۶) رازِ دہر کسی پر منکشف نہیں ہو سکتا۔ حافظ کہتا ہے

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

رواں نے بھی اسی وادی کی سیر کی اور عاجز ہوکر کہنا پڑا

مضطرب ہے قلبِ انساں چشمِ حیرت باز ہے — راز تھی روزِ ازل دنیا ابھی تک راز ہے

(۲۷) ذیل کے شعر میں ہمت انسانی کمزوریوں کو ایک زبردست لکچر دے رہی ہے۔

رکھ دیا ہمت نے بڑھکر حدِ منزل پر قدم — میں ابھی شکوہ طرازِ گردشِ ایام تھا

(۲۸) خلاقِ عالم نے ہر ذی حیات کیلئے موت لازمی قرار دی ہے اس مضمون کو جو لباس رواں نے پہنایا ہے وہ اپنی نوعیت میں بالکل نیا ہے

تیرے مطالب کے تصدق تیرے مقصد کے نثار — حکمِ قتلِ آفرینش اذنِ قتلِ عام تھا

(۲۹) عاشقی میں کسی خواہش کی تکمیل (بغیر کسی استثنا کے) عشق کی منقصت ہے اکثر اشعار کی بنیاد اسی عظیم الشان راستی پر ہے کعبہ و دیر، مسجد و کلیسا اور بہت سی معبد موجود ہیں جہاں نذر سجدہ پیش کیا جا سکتی ہے مگر ذوق سجدہ باوجودیکہ جنوں کی حد تک پہونچ گیا ہے کسی زمین کو اس قابل نہیں سمجھتا بلکہ آلودگی جبیں کا باعث جانتا ہے۔

جنون سجدہ زمانے کی خاک چھان چکا　　کہیں جگہ نہ ملی اس جبین کے قابل،

میر نے اسی خیال کو اس طرح نظم کیا ہے۔

محروم سجدہ آخر جانا پڑا یہاں سے
جوش حیا سے ہم نے وہ آستاں نہ پایا

(۳۰) صبح ہوتے ہی شمع گل ہو جاتی ہے لہذا دامن صبح پر خون شمع کا دھبہ ہے اور یہ اسی کے دامن پر زیب بھی دیتا ہے کیونکہ سورج کے آگے چراغ نہیں جلتا۔ انداز بیان کس قدر نادر ہے۔

یہ کہہ کے صبح نے کی ختم شمع کی ہستی　　یہ داغ خوں ہے مری آستین کے قابل

(۳۱) ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہوں کس قدر لبریز اثر ہیں۔

کسی تدبیر سے جب جی نہ بہلتے دیکھا　　آشیاں پھونک کے اپنا اسے جلتے دیکھا
روشنی صبح کی موقوف گداز تن ہے　　جلتے جب شمع کو دیکھا تو پگھلتے دیکھا
حسرت انگیز ہے اے شمع سویرے جانا　　جل بھی جس کے لئے اُس نے نہ جلتے دیکھا

قابلِ دید ہیں دیوانوں کے آپس کے سلوک   ان کو زنجیر بہ زنجیر الجھتے دیکھا

(۳۱) تدبیر و تقدیر کا مسئلہ اگرچہ جدید نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تقدیر کوئی چیز نہیں مگر یہ وان اس مسئلہ میں قدما کے پیرو ہیں۔

بس تھم گیا سفیرِ عمل کہہ کے یا نصیب   جس جا پہ ختم منزلِ تدبیر ہو گئی

اس شعر میں تدبیر و تقدیر یا جبر و اختیار کے مسئلہ کو عجیب حُسن سے نظم کیا ہے۔ سفیرِ عمل کی ترکیب اس شعر کی جان ہے۔ سفیر ایک نہایت معتمد عہدہ ہوتا ہے عمل کے ساتھ اس لفظ کے شمول نے عمل کی اہمیت کو نمایاں کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سفیرِ عمل کی شان معمولی نہیں ہے بلکہ کسی نصب العین کی تلاش ہے اسنے جادۂ تدبیر اختیار کیا امکانی جد و جہد کی گئی منزلِ تدبیر ختم ہوئی مگر نصب العین بدستور دور رہا اب بھی دور رہے۔ سفیرِ عمل کے منہ سے بے اختیار "یا نصیب" نکل گیا۔ یہ فقرہ جس خوبی سے صرف ہوا ہے اسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ایک تو محاورہ جب انسان کوشش کر کے تھک جاتا اور ناکام رہتا ہے تو یا نصیب کہتا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ سفیرِ عمل نے نصیب کو آواز دی کہ تو میری رہبری کر تدبیر کی حد ختم ہو گئی سب سے زیادہ نمایاں درس جو اس شعر میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان خواہ تقدیر کا قائل ہو خواہ تدبیر کا عمل ضروری ہے اس سے کسی صورت میں باز نہ رہنا چاہیئے۔

عمل نے جہاں تک ممکن تھا تدبیر کا کام لیا جب تدبیر کا دائرہ ختم ہوا تو تقدیر کو آواز دی کہ مجھ میں ابھی ہمت باقی ہے آ میری رہبری کر۔ ایسی صورت میں تدبیر و

تقدیر کا فرق صرف ظاہری رہ جاتا ہے انسان کو چاہیے کہ سرگرمِ عمل رہے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دے۔

اس خیال کو رواں نے اور بھی کئی شعروں میں نظم کیا ہے مگر یہ بلاغت نہیں

تآل زندگی پر کام کرنا کام کرتا ہوں — تاسف ہے اگر ہو کاوشِ سود و زیاں مجھ کو
جو لکھا ہے کاتبِ تقدیر نے ہوگا وہی — اپنی کوشش بھی مگر تا حدِ امکاں کیجیے
تقدیر جب معاونِ تدبیر ہو گئی — مٹی پہ کی نگاہ تو اکسیر ہو گئی
امکان میں کوشش بھی انجام پہ کیا قابو — ہر حال میں جو خوش تھا بےشک وہی عاقل تھا

(۳۲) رواں کے بیشتر اشعار میں علمِ اخلاق کے زبردست مسائل پائے جاتے ہیں جو حکمت و موعظت سے لبریز ہیں ملاحظہ ہوں۔

بندگی باعثِ اصلاحِ عمل ہو جاتی — ساتھ ہی چھوڑ دیا ذوقِ جبیں سائی نے

کسی واعظ کی زباں سے یہ موعظہ اتنا دلپذیر نہیں ہو سکتا۔

داستانِ شوکتِ ماضی سے کچھ حاصل نہیں — خود اگر کچھ ہو نہ جو چھیڑیں قصّۂ اجداد بھی

یہ وہ خیالات ہیں جو رہبرانِ قوم و ملت کے دماغوں سے نکلتے ہیں حکیمِ عرب حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں

فلیس یغنی الحسیب نسبته — بلا لسان له ولا ادب
ان الفتی من یقول ها انا ذا — لیس الفتی من یقول کان ابی

خود مرے اعمال ہیں میرے لیے مہرِ سکوت — شکر جاں کرتا تو کرتا شکوۂ بیداد بھی

مصیبت کے وقت اس شعر کو پڑھ کر دیکھئے کس قدر تسکین ہوتی ہے۔

سیہ کاری پر آتا ہے جب انساں کا دل غافل — یہ بالکل بھول جاتا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے

نفس خبیث ہیں عمل بد ہو خدا کی ہے پناہ — کیا کرے روح اگر جسم سے بیزار نہ ہو

لذتیں دنیا کی وجہ ضعف انساں ہو گئیں — ہو گئے مجبور دل روحیں پشیماں ہو گئیں

پروردۂ عصیاں ہے دنیائے خطا سالک — اے کاش کہ میں اپنے پیدا نہ ہوا ہوتا

ان اشعار کا پایہ اخلاقی حیثیت سے دیکھئے۔

مجھ سے ہی تواضع پر یقیں مطلق نہیں ہوتا — مرا دل اس پہ صدقے جان قربان ہے یا دل ہے

یہ رواں کے دل کا سچا جذبہ ہے جو خاص جوش و خروش سے ادا ہوا ہے

جو لوگ قدیم طرز اخلاق کے خوگر ہیں وہ اس عہد کے اخلاق سے خوش نہیں رہ سکتے

میرا دل بھی اس سے متاثر ہے۔

عزیز احباب کے اخلاق ایسے ہو گئے ہیں — بظاہر دوست ہیں اور خنجر چھپے ہیں آستینوں میں

رواں نے موجودہ طرز شاعری پر ایک شعر میں جو کہا ہے تبصرہ کیا ہے مشاعروں کی

کثرت اور طرح مقررہ پر ہزاروں شاعروں کی قافیہ پیمائی تمام ماتم ہے چیخ پکار رہ گئی

ہو گئے ہیں آج پیدا جو تک بیزار ۔ ایک ہنگامہ ہے شور و غل ہے یہ شاعری کا حال ہے

۱؎ لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں ایک صاحب کے شعر میں تو تلمیح سے کچھ کمی تھی ۔ دوسرے روز ایک معترض صاحب

اپنی قابلیت کے اظہار کے لیے ایک کو گھر پر آکر فقرہ کہہ گئے وہ بھی جگر سے دل تھے شعر پڑھا کر رخصت ہو گئے

کہ "میری تو آنکھوں میں ستمگر آدمی کھلتا جا رہا ہے" !

ز ایسے مشاعروں کا نتیجہ۔

ہمکو بہتر نہ کیا خلق کو بہتر نہ کیا — بے اثر روز کی اس قافیہ پیمائی نے

(۴۳) دنیا کی بے ثباتی کو مختلف موثر طریقوں سے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو

جانیوالے چل بسے دنیا کی بستی چھوڑ کر — رونیوالے ایک دن کیا عمر بھر رویا کریں

ہزاروں پھول مثل اک کلی [illegible] ہے — یہی قانون فطرت آپ عالمگیر دیکھینگے

ہر ذرہ ہے ازل سے نغمہ طراز ہستی — اسپر بھی ہے ابھی تک بے ربط ساز ہستی

نفس نفس متغیر ہے عالم فانی — کسی کو آئے تو کس طرح اعتبار آئے

سو رنگ کے نقشے ہیں سو رنگ کی تصویریں — پھر بھی ورق ہستی سادا نظر آتا ہے

آتا ہوں فاصلے سے جاتا ہے دور مجھکو — دلچسپ تھے مناظر دم بھر ٹھہر گیا ہوں

(۴۴) رواں کے بعض اشعار میں خدا شناسی کے پُر زور سبق ہیں

اہل جہاں کے کفر و توہم کا کیا علاج — آئینہ کہہ رہا ہے کہ آئینہ ساز تھا

مذہب ذاتی ہونا چاہیئے آبائی مذہب کوئی مذہب نہیں اس بات کو اپنے خاص رنگ میں ادا کیا ہے۔

اک رسم عہد ماضی تازہ کئے ہوں لیکن — اسکی خبر نہیں ہے میں کسکو پوجتا ہوں

(۴۵) مناظر قدرت کی مصوری بھی رواں خاص انداز سے کرتے ہیں

صبح کا منظر۔

طلوع صبح نے دنیا کی حالت الٹ ہی دی — بدل جاتی ہے مٹی جیسے دست کیمیا گر میں

آدھی رات کا منظر۔

نیم شب دنیا کا سناٹا وہ تاروں کا سکوت
جیسے بزم آرائے فطرت محو خواب ناز ہو

(۳۶) روّاں نے فطرتاً ایک ایسا دل پایا ہے جو ایک حالت پر تمام مؤثر چیزوں سے مضطرب ہو جاتا ہے کبھی بزم حسن میں نغمہ سنج ہے کبھی محفل عشق میں سوز و گداز کی تصویر کبھی قومی و ملکی جذبات سے لبریز مگر ہر حالت میں شاعرانہ انداز سخن ہاتھ سے نہیں جاتا۔ ذیل کے اشعار پڑھئے جو ملکی احساسات سے مملو اور واقعات حاضرہ کی مکمل تصویریں ہیں۔

محافظ جان کے دشمن ہیں ابنائے وطن غافل
رلاتی ہے لہو یہ حالت ہندوستان مجھکو

ستم پر ناز تھا صیاد کو اسکی خبر کیا تھی
کہ دیگی درس آزادی قفس کی تیلیاں مجھکو

انشاءاللہ زندگی پہ ناز ہے ہمکو رواں
ذلت تدبیر غلامی جسکی گھڑیاں ہو گئیں

چمن چمن نہ رہا جب تو ہے کیا مطلب
قفس نصیب ہو یا شاخ آشیانے کی

قفس کے ہمنواؤں میں بھی باہم بھلا پیدا ہو
نہ جانے کیا لکھا ہو ہم اسیروں کے مقدر میں

از ماسٹر کہ ریاست

مبارک ظالموں کو ظلم ہو
جو اپنا ہی کیا ہے اسکا غم کیا

معاذ اللہ ان جمعیتوں میں جب یہ عالم ہو
سمجھ لے کیسا منظر ہوگا آخر اس پریشاں کا

ایک ایک شعر ہندوستان کے لئے عبرت آمیز اور ملکی ابتری کا مرقع ہے

رُباعیات

رباعی ۱۲۵۱ھ [?] میں یعقوب بن لیث صفار کے عہد میں ایجاد ہوئی اور رودکی کے سر اسکے اختراع کا سہرا ہے
یعقوب کا ایک چھوٹا بچہ اخروٹوں سے کھیل رہا تھا ایک اخروٹ ڑکھتا ہوا ایک گڑھے میں چلا گیا بچہ کی زبان سے بے ساختہ مصرع نکلا ؎

غلطاں غلطاں ہمی رود تا بن گو

یعقوب کو یہ مصرع بہت پسند آیا اُس عہد کے شعرا کو بلا کر پوچھا کہ یہ کس بحر میں ہے اونھوں نے کہا ہزج میں اوسکے بعد تین مصرع لگا کر رباعی بنا دیا۔ اوسوقت اسکا نام دوبیتی رکھا مدت تک یہی نام مشہور رہا پھر علمائے فن نے بجائے دوبیتی رباعی نام رکھا مصنف میزان الافکار نے ان مصرعوں کو رودکی کی طرف منسوب کیا ہے جب یہ رباعی مشہور ہوئی تو لوگ پڑھتے تھے اور ایک جوش پیدا ہوتا تھا اسلئے رودکی نے اسکا نام ترانہ رکھا۔
لیکن بعض قدما کے تذکرہ سے رباعی کا وجود یعقوب سے قبل معلوم ہوتا ہے چنانچہ سلطان بایزید بسطامی جنکی وفات ۲۳۴ھ میں ہوئی ہے انکی رُباعیاں

لہ از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ۱۲

مجمع الفصحا میں موجود ہیں ؂

اے عشق تو کشتہ عارف عامی را | سودائے تو گم کردہ نکو نامی را
ذوق لب میگون تو آوردہ برون | از صومعہ بایزید بسطامی را

ایضاً

ما را ہمہ رہ بکوئے بدنامی داد | در سوختگان نصیب ناکامی داد
ناکامی ما چو ہست کام دل دوست | کام دل ما ہمیشہ ناکامی داد

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رودکی کے عہد سے اسکی ترویج ہوئی اور اُسنے ہزج کے ۲۴ اوزان رباعی کیلئے نکالے۔ اور خواجہ حسن قطان خراسانی نے دو شجرے بنالئے اور ہر شجرہ میں بارہ وزن مقرر کئے۔

یوں تو متقدمین و متوسطین نے اس صنف سخن میں کچھ نہ کچھ طبع آزمائیاں کی ہیں، مگر ابو سعید ابو الخیر۔ باباطاہر ہمدانی۔ عمر و خیام۔ کاشفی۔ سحابی استر آبادی اور سرمدکو اس میں خاص شہرت ہوئی۔ یورپ کی بدولت خیام کی شہرت کا آفتاب اسقدر بلند ہوا کہ دوسروں کی تجلیاں دب گئیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ خیام نے اس صنف سخن کو معراج کمال تک پہونچادیا ہے۔

زبان اُردو جو ہر حیثیت سے فارسی زبان کی تقلید کرتی چلی آتی ہے اس صنف میں ابھی کافی ذخیرہ فراہم نہ کرسکی اور نہ اسکی طرف شعرا کو توجہ ہوئی حالانکہ باایں اختصار رباعی میں اسقدر وسعت ہے کہ دنیا کا ہر مضمون اسمیں ادا ہو سکتا ہے

اور تاثیر میں تمام اصناف سخن سے کہیں زیادہ۔

انیس و دبیر کی بدولت رباعیوں کا ایک مختصر ذخیرہ جمع ہو گیا ہے مگر انمیں تنوع مضامین نہیں بلکہ دائرہ تخیل محدود ہے۔ مولانا حالی نے اپنے رنگ میں نہایت صاف اور اخلاقی رباعیاں لکھی ہیں جو نامی پریس کانپور میں کبھی چھپی تھیں انکے علاوہ مستقل کوئی مجموعہ ایسا نہیں دیکھا جسنے شرف قبولیت حاصل کیا ہو

رُباعی میں دوسری بیت بیت اول سے بلند ہونا چاہیئے۔ جیسا صائب نے اپنے خاص رنگ میں اسکو ظاہر کیا ہے۔

اور رباعی بیت آخری زند ناخن بدل
خوش لذت لب تبسم ما ز ابرو خوشتر است

چوتھا مصرع رباعی کی روح ہوتا ہو اور اسکا برجستہ اور پُر زور ہونا خاص حُسن ہے۔ شاعر کا سلیقہ اسی میں دیکھا جاتا ہے اوپر کے دونوں مصرع بھی آخری مصرعوں سے دست و گریباں اور مرتبط ہونا چاہیئے۔

اس مختصر تمہید کے بعد روّاں کی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں جن میں یہ جوہر جا بجا نمایاں ہیں۔ بیشتر خیالات فلسفہ کے رُباعیوں کے قالب میں ڈھلے ہوئے ملیں گے اُسکے ساتھ تخیل کی بلند پروازی بندش کی چستی طرز ادا میں ندرت

یہ کہنا بیجا نہو گا کہ روّاں کی رُباعیاں باعتبار تنوع مضامین زبان اُردو

میں ایک خاص اضافہ ہیں۔ اور بقول جناب اثر اگر مشق جاری رہی تو کسی زمانے میں اردو کے خیام کا لقب زیب دیگا۔

اس مجموعہ میں بیشتر رباعیاں ایسی ہیں جو کسی قابل قدر کتاب کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ یا کسی ہمنشین سے دوران گفتگو میں کچھ خیالات پیدا ہوئے ہیں انکو نظم کا لباس پہنا دیا گیا ہے اول الذکر حیثیت سے ادب مشرق و مغرب کے مطالعہ کا عطر ان رباعیوں میں کھنچا ہوا ہے جسکے ساتھ مصنف نے اپنے جدت تخیل کی شمیم روح افزا بھی شامل کی ہے۔ ملاحظہ ہو

حرص و ہوس حیات فانی نہ گئی — اس دل سے ہوائے کامرانی نہ گئی
ہے سنگ مزار پر ترا نام رواں — مرکر بھی امید زندگانی نہ گئی

انسان کسقدر حریص زندگی ہے کہ مرنے کے بعد بھی آرزوئے زیست باقی ہے۔ استدلال کسقدر مضبوط ہے کہ سنگ مزار پر نام کندہ کیا جا رہا ہے حالانکہ جب خاک ہو گئے تو پھر اسکی ضرورت کیا تھی۔ (۲)

آزاد ضمیر ہو فقیری یہ ہے — دل بے پروا رہے امیری یہ ہے
زنجیر نہیں ہے باعث قید رواں — محدود رہے خیال اسیری یہ ہے

فقیری ضمیر کی آزادی۔ امیری دل کا استغنا۔ اسیری خیالات کی حد بندی جب تک خیالات آزاد ہیں۔ طوق و سلاسل بیکار۔ نظم کی چاروں کڑیاں زنجیر حکمت ہیں۔

انجام کی ہو فکر شریعت یہ ہے ــــــ جاں صرف وفا ہے یہ ریاضت یہ ہے
زاہد سے کہو نماز و روزہ بیکار ــــــ دل خوف خدا کرے عبادت یہ ہے

اس رباعی میں راز عبادت کی تلقین ہے جسکی پہلی منزل خوف و خشیت ہو اگر یہ نہیں تو طاعت بیکار اور زہد و ریا ئی بے سود۔

انساں معذور و فکر انساں مقدور ــــــ یہ کس کو خبر کہ کیا ہے اُسکو منظور
پیمانہ بدست رند اور اس سے قریب ــــــ تسبیح بدست واعظ اور اس سے دور

انسان اس ادراک سے عاجز ہے کہ کونسا عمل اسکی بارگاہ میں محبوب ترین ہے ہزاروں سال سجدے کرے مگر بے سود اور ایک نعرہ مستانہ بھی اُسکے تقرب کیلئے کافی ہے رباعی باعتبار بندش و چستی الفاظ فصاحت کا بہترین نمونہ ہو عمر خیام نے بھی زاہد سے اسطرح خطاب کیا ہو۔

تو لائق نکتہ ہائے باریک نۂ ــــــ جز در خور گوز تنگ و تاریک نۂ
من فاسقم واز در حق دور نیم ــــــ مسکین تو کہ زاہدی و نزدیک نۂ

اسطرح ریاکاری کی مذمت ایک عجیب پیرایہ میں کرتا ہو

ایک شخص کسی فاحشہ عورت سے پوچھتا ہے کہ کیا درست ہے کہ ہر لحظہ ایک نئے آدمی کے جال میں پھنستی ہے وہ جواب دیتی ہے کہ اے شیخ میں تو جیسا آپ فرماتے ہیں ویسی ہوں لیکن اپنی تو کہئے کہ آپ اپنے تئیں جیسا ظاہر کرتے ہیں کیا ویسے ہی ہیں ؟

شخصی بزنِ فاحشہ گفتا مستی ؟ | ہر لحظہ بدام دیگری پابستی
گفتا شیخا ! ہر آنچہ گوئی ہستم | اما تو چنانچہ می نمائی ہستی

اس دارِ فنا میں مقصدِ دل کیا ہے | کہئے تعبیرِ خواب باطل کیا ہے
جب قلب کو ایک دم بھی راحت نہ ملی | آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے

رباعی کا مقصد یہ ہے کہ شاعر کو حیرت ہے اس دنیا کا اور میری ہستی کا منشا کیا ہے۔ دل کو جب دم بھر سکون نہیں تو پھر زندگی کا منشا ؟ طلسم جب فانی ہے تو اسکے بنانے کی علت ؟ اس مضمون کو خیام نے بھی عجیب و دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

ہر چند کہ رنگ و بوے زیباست مرا | چون لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا
معلوم نشد کہ در طربخانۂ دہر | نقاش من از بہر چہ آراست مرا

مصرعوں کی سجاوٹ تعریف سے بالاتر ہے۔

توصیف صفت کسیکو معلوم نہیں | اسکی غایت کسیکو معلوم نہیں
عالم ہے اسیر دام نیرنگ نمود | اصلی حالت کسیکو معلوم نہیں

سلسلہ علت و معلول تحقیقات کے بعد بھی منکشف نہ ہو سکا عالم کے دقیق النظر حکما اس بات کے معترف ہیں کہ اصلی علت کا پتہ ملنا دشوار ہے سقراط بھی اسی خیال کا موید ہے خیام نے بھی ایک رباعی میں یہی بات لکھی ہے۔

ہر چند دلم ز علم محروم نشد | کم ماند ز اسرار کہ مفہوم نشد

اکنوں کہ بروئے کار درمیں نگرم　　معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

یہ کیا کہ حیات جاودانی کیا ہے　　پہلے دیکھو جہان فانی کیا ہے

اس فکر میں ہو کہ موت کیا شئے ہو رواں　　یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے،

زندگانی جاوید کی خواہش ہر دل میں پنہاں ہے اور انسان اس فکر میں حیران و سرگردان رہتا ہے کہ حیات ابدی کس طرح حاصل ہو مگر ناکامی کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اُسکی جستجو غلط راستے اختیار کرتی ہے۔ وہ موت کو منافی حیات سمجھتا ہے حالانکہ غور کرنا چاہیے کہ اصل نشائے زندگی کیا ہے یعنی اس دنیا اور ہستی دنیا کا آل کیا ہے۔ اگر راز سمجھ میں آجائے تو موت سے بے تعلق ہو جائے اور نخل حیات اسطرح بار آور ہو کہ خزاں کا اندیشہ نہ رہے۔ حیات و مرگ در اصل ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں انسان کو چاہیے کہ اس حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرے یہ بات جبھی حاصل ہو سکتی ہے جب حیات و مرگ کا اسطرح تجزیہ کیا جائے کہ یہ دونوں کیفیتیں بالارادہ ایک دوسرے میں منتقل ہو سکیں۔ اسی قدرت کا احساس تھا جسنے حافظ سے یہ شعر کہلوایا ہے

عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ　　باز گردد یا برآید چیست فرمان شما

اُردو کا شاعر بھی کہہ گیا ہے ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آشنا ٹھہرے

دل تشنۂ باغباں ہے کیوں مضطر ہو ــــ شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
مقراض اجل ہو قاطع شاخ حیات ــــ ممکن ہو اسی میں راز جاں مضمر ہو

جسے ہم اجل سمجھتے ہیں بہت ممکن ہے کہ حقیقی حیات وہی ہو۔ لہذا موت سے ہراساں نہ ہونا چاہیئے۔ انداز بیاں کی خوبی ظاہر ہے۔ کل حیات ایک نخل ہے اور ہر متنفس کی زندگی ایک شاخ ہے بعض کو قطع کر کے باغبان اجل نئی قلمیں لگاتا ہے اسطرح اور درختوں کی بنیاد قائم ہوتی ہے جن میں اصلی قلم کی خصوصیتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ زندگی کا مفہوم اس سے وسیع ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے ہم دوسروں میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں ایسے نقوش ایسی یادگاریں جن میں ہماری حیات کا پرتو ہو دوسروں کو ودیعت کر سکتے ہیں۔

فطرت کہتی ہے ظلمتوں کے پس پشت ــــ کیا ہو یاران نور اگر ہوں یک مشت
ہنگامۂ طور کر رہی ہے برپا ــــ صبح خنداں کی اک حنائی انگشت

یہ رباعی صبح کی بے نظیر تصویر ہے۔ آفتاب کی پہلی کرن کو صبح خنداں کی "حنائی انگشت" کہنا کسقدر لطیف استعارہ ہے گویا ایک حسین معشوق از راہ شوخی انگشت حنائی بلند کر کے عاشقوں کو تہدید کر رہا ہے۔ یہ دلربا انداز دیکھ کر فطرت کی ہر شے زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ جب اس ایک انگشت حنائی کے نظارہ نے ہنگامۂ طور برپا کر دیا تو شاید قیامت برپا ہو جائے۔ اگر یہ شاہد رعنا

(آفتاب) تدریجاً جلوہ نما ہونے کے بجائے یکایک نظر افروز ہو۔

رباعی کے چاروں مصرعے وسیع معانی کے حامل ہیں پہلے مصرعہ سے صبح کا دھندلکا پیش نظر ہے۔ تمام فطرت شب یلدا سے انتظار طے کر کے ظہور صبح کی مشتاق ہے تاریکی چھٹتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ اشتیاق اور اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ یکایک افق مشرق سے صبح کی پہلی کرن ایک خوبصورت مہ جبیں گلبدن معشوق کی انگشت حنائی کی طرح پردہ سے باہر نکلتی ہے اب قلب عارف کے سرور و وجدان کا کیا پوچھنا۔ جو بیخودی ایک تبسم پنہاں سے ازلی گو سے طور پر طاری ہوئی وہی حالت اسوقت اسکے دل کی ہو گئی اس راز حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ اگر جمال دوست پردے پردے میں اور وہ بھی درجہ بدرجہ نظر افروز ہو بلکہ یکایک حجابات مجاز (جنہیں ایک آفتاب بھی ہے) چاک کرتا ہوا عیاں ہو تو کیسے تاب نظارہ باقی رہے۔

چونکہ فطرت۔ قائل ہے۔ ہنگامہ جلوہ کے آ جانے سے صبح کی تمام چہل پہل اور اسکے سرور انگیز تاثرات کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ہر شئے اپنے خالق کی یاد میں مست ہے۔ طائر چہچہا رہے ہیں۔ درختوں پر وجد طاری ہے شاخیں جھوم رہی ہیں۔ صحن چمن میں نسیم اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی ہے۔ کلیوں نے بند قبا کھول دیے۔ موذن کی اذان اور ناقوس کی صدا ملکر فضا کو موسیقی سے لبریز کر رہی ہیں۔ دلوں کے ساغر بادۂ عرفاں سے چھلک رہے ہیں۔

(۱۰) تخریبِ حیات میں ہے تعمیرِ حیات — ہے باعثِ انحطاط تدبیرِ حیات
شیرازۂ دو جہاں ہے تشریحِ فنا — کڑیاں لاکھوں ہیں ایک زنجیرِ حیات

کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔ عالم کے تمام تغیرات ظاہری ہیں حقیقت واحد و مستقل ہے۔ خزاں بہار کا پیش خیمہ اور بہار پیغامِ خزاں ہے۔ اجزائے حیات منتشر ہو کر پھر متحد ہوتے ہیں۔ تخم سے درخت اور درخت سے تخم مگر یہ اختلاف سطحی ہے نہ کہ ذاتی۔ اجزا کی ترتیب میں فرق ہو، صورتیں بدلتی رہتی ہیں حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے۔

اس مشاہدہ پر شاعر کی تخئیل اپنا عمل کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ دراصل ہم جسے فنا سمجھتے ہیں فنا نہیں بلکہ عین بقا ہے تفرق کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ ظاہری اسباب کو یکجا رکھنے کی کوشش اصلی مرکزِ حیات سے دور کر دیتی ہے اسی کا نام انحطاط ہے۔ کتابِ حیات کا شیرازہ منتشر رہتا ہے۔ دو متضاد کیفیتیں پیشِ نظر رہتی ہیں اگر یہ امتیاز مٹ جائے تو یقیناً بقا و فنا کے بے شمار متنوع مشاہدات ایک ہی زنجیرِ حقیقت کی مختلف کڑیاں معلوم ہوں۔

(۱۱) مطلوب ہے زخمِ دل جو سیتے نہ بنے — جینا کس کام کا جو جیتے نہ بنے
ہے مجھ کو حلال ہی نہیں بلکہ ثواب — مے اُس پہ حرام جس سے پیتے نہ بنے

شاعر کے مشرب میں بادہ نوشی حکیمانہ اصول و آداب کے موافق ہونا چاہیے اگر ایسا ہو تو حلال ہی ورنہ حرام ہے۔

اس مضمون کو خمریات کے امام عمر خیام نے بھی خوب کہا ہے اُس نے بادہ نوشی کے آداب بتائے ہیں۔

می گرچہ حرام است ولے تاکہ خورد؟ آنگاہ چہ مقدار؟ و دگر باکہ خورد؟
ہر گاہ کہ این چہار شرط آید جمع پس می نخورد مردم دانا کہ خورد؟

ایضاً

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور یا با صنمی سادہ رخے خنداں خور
بسیار مخور و ورد مکن فاش مساز کم کم خور و گہ گاہ خور و پنہاں خور

خیام نے بادہ نوشی کے آئین و آداب ایک خاص حسن سے نظم کئے ہیں۔ رواں نے "پینے نہ پینے" اتنی جامع اور بلیغ لفظ لکھدی جس سے یہ تمام مفہوم ادا ہو گیا کہ خیام کی تشریح کسقدر شرح پرور ہے۔

(۱۲) دل صرف حصول جام و مینا کر دے جاں وقف حضور حسن یکتا کر دے
تو راز نشاط پوچھتا کیا ہے رواں غرق مے ناب دین و دنیا کر دے

شعرا کے کلام میں شراب سے مراد ہر جگہ شراب ہی نہیں بلکہ وہ حقائق و معارف کی گفتگو بھی انھیں الفاظ میں کرتے ہیں بقول مرزا غالب

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اس رباعی میں شاعر کا خیال صرف معرفت ہے حُسن یکتا (ذات احدی) کے حضور کے لئے وہ جان کو وقف کرنے کی ہدایت کرتا ہے ایسی صورت میں لفظ نشاط

بھی ہو۔ اسکی معرفت حاصل کرے اور بغیر اسکے حضوری و قبولیت
خیام بھی ایک رباعی میں اپنی سرمستی کا اظہار عجیب دلکش انداز سے کرتا ہے
ایک شخص پوچھتا ہے کہ مرنے کے بعد کہاں جاؤ گے وہ اپنی سرمستی میں
جواب دیتا ہے شراب پیش کر سامنے رکھ دے اور جہاں جی چاہے جا۔

ما ہم حسب ارادہ گمشدہ تو ۔۔۔ ناگاہ فرشتۂ عالم بدوچہ
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت ۔۔۔ مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

اس رباعی میں صرف رندیت ہی نہیں بلکہ اس لطیف ظرافت کے
پہلو میں مضمر ہے، ورنہ اسکا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ہم کہاں جائینگے اسکا
جواب کہ شراب لا فقط لغو کی بات تھی۔

(۱۳) تالیف ہمیں عقل کا کچھ دیتی ہے ۔۔۔ آزادی دل فنا کئے دیتی ہے
تہذیب کی مخلوقوں سے ہم بار گئے ۔۔۔ فطرت سے ہمیں جدا کئے دیتی ہے

یہ تخیل اس جدید تحریک کا نتیجہ ہے جو مغرب میں زیست و سطح پیمانہ پر
ہو رہی ہے کہ انسان کو قوانین فطرت کے موافق زندگی بسر کرنا چاہیئے۔
اردو میں ایسے خیالات کے اظہار کی ضرورت تھی۔

(۱۴) ہم شہر بشہر پھیلتا جاتا ہے ۔۔۔ اللہ کا قہر پھیلتا جاتا ہے
اب تک تو دلوں میں اک حرارت سی تھی ۔۔۔ اب خون میں زہر پھیلتا جاتا ہے

ہندو مسلمانوں میں کچھ عرصے سے نااتفاقی کا جو سلسلہ ہے اس حالت کے

متاثر ہوکر شاعر کی زبان دل سے یہ خیال ادا ہوا ہے۔

(۱۵) حال دل کچھ خراب سا رہتا ہے — یعنے اک پیچ و تاب سا رہتا ہے
کھلتا نہیں کیا ہے راز کلفت لیکن — ہر وقت اک اضطراب سا رہتا ہے

ہم میں کون ایسا ہے جسنے یہ کیفیت محسوس نہ کی ہو لیکن شاعر احساس کو جامۂ نظم کس خوبی سے پہناتا ہے۔ اسیطرح اور چند رباعیاں ہیں۔

(۱۶) کیوں فکر کریں کہ حکم ہوا کیا ہے — دنیا کیا ہے مآل دنیا کیا ہے
سرگرم عمل ہیں تا بامکان عمل — اس سے بیفکر ہیں نتیجہ کیا ہے

ایضاً

(۱۷) جب شب میں شعاع نور کھو جاتی ہے — پیدا روح سکوت ہو جاتی ہے
اسطرح ترے خیال میں گم ہوں میں — مچھلی پانی میں جیسے کھو جاتی ہے

ایک سنسکرت کا خیال ہے کس حسن سے ادا ہوا ہے

(۱۸) ہر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی — ہر سمت اک آگ سی لگاتی آئی
بکھرے جاتے ہیں زخمہائے کہنہ — پھر صبح بہار مسکراتی آئی

صبح کی ایک دلکش تصویر ہے سپیدۂ سحری کے بعد ہلکی سی سرخی افق پر محیط ہو جاتی ہے اس کیفیت کو ظاہر کیا ہے

(۱۹) اسوقت ہوئی قوم شایان نبرد — جب ایک ہی درد سے ہوں مضطر ان مرد
کل قوم کے دل میں درد ہر فرد کا ہو — اور دل میں ہو ہر فرد کے کل قوم کا درد

یہ رباعی رواںؔ کے مسلک کی آئینہ بردار ہے۔ کیا کوئی دن بدنصیب ہندوستان کے لئے ایسا ہوگا کہ زن و مرد ایک ہی جذبۂ قومی سے مشتعل ہوں۔

(۲۰) نوروز ہے غرقِ بادہ دنیا کر دے — میرا ارماں آج پورا کر دے
پی لوں میں شراب بھر کے اتنی ساقی — تو کاسۂ آسماں کو سیدھا کر دے

اُردو میں اس رباعی کی وہی منزلت ہے جو فارسی میں خیام کی رباعیوں کا مرتبہ ہے۔ اسکا زور اور جوش و خروش داد طلب ہے

(۲۱) غربت اچھی نہ جاہ و دولت اچھی — حاصل جس سے ہو دل کو راحت اچھی
جس سے اصلاحِ نفس ناممکن ہو — اُس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

یہ رباعی ایک اخلاقی سبق ہے۔

اس مختصر تبصرہ کے بعد ناقدانِ فن اندازہ کر سکیں گے کہ شعر کے اصلی عناصر کلامِ رواں میں کس حد تک موجود ہیں اور معیارِ شعر تک پہونچنے میں ان کو کس قدر کامیابی ہوئی ہے۔

مشاعروں کے حلقہ میں یا احباب کے دائرہ میں بیٹھنے والے شعرا جنکے کانوں میں تعریفوں کے نغمے گونجا کرتے ہیں وہ اپنے خلاف کوئی آواز سننا پسند نہیں کرتے اور نہ کسی اعتراض کے متحمل ہو سکتے ہیں کیونکہ نعرہائے تحسین نے اُنکو پیکر [illegible] کی طرح [illegible] ہی کہ صفحاتِ کاغذ پر جنکے افکار مرتسم ہو چکے ہیں۔ اُنکے [illegible] تنقیدوں کے متحمل کر چکے ہیں یہ امر پھر واضح ہو گیا ہے کہ انسان غلطی کر سکتا ہے۔ اور اس سے کوئی اہلِ کمال

مستثنیٰ نہیں۔

اس مقدمہ میں رسم زمانہ کے موافق میرا یہ فرض تھا کہ کلام رواں کا دوسرا رخ بھی دکھاؤں کیونکہ اس مجموعہ کو تنقیدی نظر سے میں اسوقت دیکھ رہا ہوں جب طباعت کی صورت میں میرے سامنے ہے۔

اسوقت سوا اسکے کہ اسکی خامیوں کا اعتراف کرلوں کوئی اور صورت نہیں خوبیوں کے اظہار کے بعد خامیوں کا اعتراف کرنا ناقدری کی کمزوری ہے اور اسمیں نہ میری توہین ہے نہ مصنف کی۔ میرا مقصود اس چمن سے گلچینی ہے صحن چمن کبھی کانٹوں سے پاک نہیں ہوتا لیکن میں اپنے دامن کو اُس سے اُلجھانا نہیں چاہتا۔ خدا بخش کا منہ فردوس کے موتیوں سے بھرے کیا خوب کہا ہے۔

نا فہم سے کب داد سخن لیتا ہوں	دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بو سے دوستاں یکرنگ	کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

آخر میں اس دعا پر مقدمہ کو ختم کرتا ہوں کہ خدا کلام رواں کو ملک میں خلعت مقبولیت عطا کرے۔

عزیز

۳، فروری ۱۹۲۸ء

عرض حال

کسی شاعر کیلئے جب وہ اپنا مجموعہ پبلک کے سامنے پیش کرنے کا
ارادہ رکھتا ہو یہ انتخاب یقینی طور پر دشوار ہے کہ وہ کسقدر حصہ خارج کرے
اور کسقدر انتخاب کرے۔ یہ تو یہ دشواری دوسری زبانوں کے شعرا کو بھی محسوس
ہوئی مثلاً غنی کشمیری کی بابت مشہور ہے کہ اُس نے ۹/۱۰ حصہ اپنے
دیوان کا غرق دریا کر دیا تھا اور صرف ۱/۱۰ شائع کیا جو ہم تک پہنچا ہے۔
یا انگریزی کے مشہور شاعر کولرج کی بابت خیال ہے کہ اسکے مطبوعہ کلام سے اسکا
غیر مطبوعہ کلام بہت زیادہ تھا۔ لیکن اردو کی تخصیص اسلئے کی گئی کہ ابھی اردو
پبلک کا مذاق محض ایک رنگ پر نہیں آیا۔ مشاعروں میں تو یہ بات بہت
ہی عام ہے کہ جس شعر کو شاعر اپنا کارنامہ سمجھتا ہے اکثر اسپر توجہ بھی نہیں
ہوتی اور ایک معمولی شعر بار بار پڑھوایا جاتا ہے اور امید سے زیادہ اسکی
قدر ہوتی ہے۔ لیکن یہ خصوصیت صرف شاعروں تک محدود نہیں میرے
اکثر صاحب دیوان احباب نے مجھ سے کہا کہ بعض بعض نظموں کو یا غزلوں کو کتاب
سے خارج کر دینا چاہتا تھا فلاں فلاں صاحب نے فلاں فلاں احباب نے اس کی

داد دی اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ داد حقیقی داد تھی تو مصنف کے لئے یہ امر انتخاب کی دشواری کو کسقدر بڑھاتا ہے۔ دوسری یہ دقت ہوتی ہے کہ اکثر اصحاب کا خیال ہے (اور ایسے اصحاب کا خیال جن کی رائے آسانی سے صحیح قبول کی جاسکتی ہے) کہ مجموعہ میں آخر عہد کے کلام کے علاوہ ابتدائی اور اوسط زمانہ کا کلام بھی ضرور ہونا چاہئے اس سے اول تو شاعر کا میلان سخن معلوم ہوتا ہے دوسرے اُسکے ارتقا سے ذوق سخن اور صحت مذاق پر روشنی پڑتی ہے۔ اور تنقیدی نقطہ نظر سے یہ بھی ایک ضروری بات ہے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شاعر کے یہاں بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب شعر ایک ہی پایہ کے ہوں۔ تیسری مشکل یہ ہے کہ ایک پڑھنے والے کا مذاق بھی ہر وقت یکساں نہیں رہتا۔ مجھے خود اکثر ایسے اتفاقات پیش آئے کہ کسی شاعر کے کلام سے انتخابات کئے۔ اور چند ماہ کے بعد پھر جب دیکھنے کا اتفاق ہوا تو حیرت ہوئی کہ فلاں فلاں شعر کیوں انتخاب کیا تھا۔

انھیں سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے ۱۹۰۳ء سے مارچ ۱۹۲۶ء تک جو کچھ کہا تھا سب پبلک کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں پہلے صرف رُباعیات ہی شایع کرنا چاہتا تھا لیکن اُستاذ محترم لسان الہند جناب مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ کے حکم کی تعمیل میں مجموعہ شایع کرتا ہوں۔ اگر اس تمام ہذیان میں سے ایک مصرع بھی کسی

صاحب ذوق کو پسند آئے تو وہ جناب مولانا عزیزؔ بلسے کے فیض و عنایات کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ غلطیاں سب میری ہیں۔ کتابت کی غلطیاں میری ناتجربہ کاری کا باعث ہیں۔ باوجود احتیاط کے پھر بھی بہت رہ گئیں جن کے لئے صحت نامہ لگا دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کتاب اسپر ضرور نظر فرمائیں گے۔

جگت موہن لال رواںؔ

صحت نامہ ضرور ملاحظہ فرمایئے گا

یوں تو کتاب کا تمام و کمال صحیح چھپنا تقریباً محال ہے۔ مگر اس مجموعہ میں چند فرو گزاشتیں ہو گئیں جنکا اظہار ضروری ہے۔ مسودہ نہایت بدخط کاتب کو دیا گیا جہاں اُنسے نہیں پڑھا گیا انھوں نے اپنے قوت تصنیف و تصرف سے کام لیا۔ پُروف وغیرہ کی صحت کا انتظام اچھی طرح نہ ہو سکا۔ جس کی وجہ سے کثرت سے اغلاط باقی رہ گئے۔ اور بعض اغلاط ایسے تھے جن کو مصنف نے نظرثانی میں بدلدیا ہے۔ لہذا ناظرین کرام سے التماس ہے کہ اس مجموعہ کے ساتھ ساتھ اس صحت نامہ کو ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

صفحہ	غلط	سطر	صحیح
۴	طباق نور	۷	طبق انوار کا
۷	تری بیکلی کا آخر	۵	ترے اضطراب دل کا
۸	بھی نہ ہاتھ	۸	ہاتھ کب
۱۱	سانس ٹھنڈی	۱۱	ٹھنڈی سانسیں
۱۳	اپنے پہلو سے ہٹا کر کسنے بھیجا تجھ کو جیل	۲	کسنے پہلو سے ہٹا کر تجھ کو زندانی کیا
۱۷	الوداع تا آمد	۹	الوداع اے حسرت

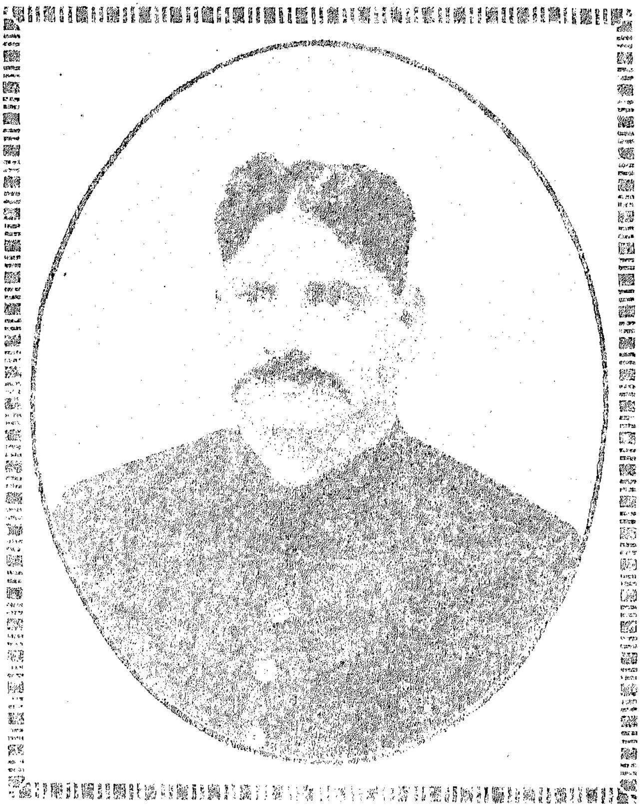
صفحہ	غلط	سطر	صحیح
۱۶	بیوگی	۲	عاشقی
۲۱	آہ مجھے چشم	۵	نرگس چشم
۲۵	کچھ رلاتی ہو مجھے	۷	کچھ رلاتی ہو ہمیں
۲۵	اس جگہ پر دفن ہے	۱۱	اس جگہ پر دفن ہیں
۲۹	مرقدیں	۱	تربتیں
۳۳	ہٹنا نہ جسنے	۱۵	ہٹنا نہ اسنے
۳۴	پلٹا نہ جسے	۱	پلٹنا نہ اسنے
۳۷	اپنی خوش نصیبی	۹	خوش نصیب ہوئے
۳۷	کل تھی سہاگن آج میں بیوہ کہاؤنگی	۱۵	کس کس کو اپنے دکھ کی کہانی سناؤنگی
۴۰	خواہش یا حسرت کی ہو کہ مری جان نہ جائے	۳	امید لگی کوئی مری جان نہ جائے
۴۰	تمام	۷	حرب
۴۰	قدموں میں ہوں میں		ہوں زیر سایہ
۴۰	کچھ فکرمند کچھ متعجب جبیں پہ چیں	۱۵	کچھ فکرمند ہوسکے باندازِ دلنشیں
۴۱	دل میرا مری جان مرا ناز ہیں حسرت	۱	اے دل وفا ہیں اے صد ناز ہیں حسرت
۴۱	جوہر سے ہے	۸	بیشک ہے
۴۲	چاہیے	۱	چاہیے

صفحہ	غلط	سطر	صحیح
۴۳	اتنا	۴	اتنے
۴۳	دو شیزہ	۱۱	عفیفہ
۴۵	ضبط درد	۱۵	سوز ہجر
۴۶	اشک بہائے	۱۲	شان رعنائی
۴۸	کرونگی انکشاف حال کی تقصیر	۹	کرونگی آج اپنے حال کی تفسیر
۴۸	جو ہوتی ہو تو جلد	۱۰	پہ دیکھو کتنی جلد
۵۰	ہیں ٹوٹی پڑ رہی ہیں ایک ایک پہ جبیں	۷	موجوں پہ جبیں دیکھو ایک ایک کی ٹوٹی پڑ رہی ہیں
۵۰	یا کہ	۹	پہ کہ
۵۳	ہن	۵	بن
۵۶	مسرت	۲	سرست
۵۸	ہوگی	۱	ہوگئی
۶۳	تب یہ	۵	اُس دم
۶۴	تعظیم کرنیوالے	۹	تعظیم چاہیے تھی
۶۴	تب	۴	تو
۶۵	ظاہر	۱	کم ہیں
۶۶	سیمتیں	۹	سیمتن

صفحہ	غلط	سطر	صحیح
۷۷	ٹھہرا بند دیا ہے	۱۲	ٹھہرا رہا ہے
۸۱	دو اسناد	۹	یہ اسناد
۸۲	اطبّا	۷	احبّا
۸۳	گودی	۶	بخشی
۸۴	کسی دُنیا	۸	سے نہ دنیا
۸۵	سے	۳	دستے
۸۵	ذرّوں	۴	پردوں
۸۸	گلوں کی بہار نہ کر مجھ کو ڈھونڈھنے والے	۹	گلوں کو صرف نہ کر پیارے میرے جویا
۹۰	غنیمت ہو	۶	وہ تھوڑا سا ہے
۹۲	کرینگے سوگ	۴	رکھینگے سوگ
۹۴	وقت کی	۳	وقت کے
۹۵	آزار کی	۶	آزار کو
۹۵	جان کبھی	۶	روح کھلی
۹۷	کی یہ ہستی ہو	۱۰	کا یہ دعوی ہے
۱۰۱	سر جس تک	۱۴	جہاں تک
۱۰۳	نذرِ شبانہ	۱۰	نذر کے واسطے

صفحہ	غلط	سطر	صحیح
١٠٦	زندگانی میں	١٥	زندگانی کی
١١١	دنیا بے محبت کی الخ	٣	کس منظر عبرت نے مغموم کیا تجھ کو
١١٢	ایسے ہیں	٦	اب ترے
١١٣	تأثیر	١٣	تقدیر
١١٣	بہت تو کر چکے	١٣	تمام ہو گئی
١١٦	سے	١	نے
١١٦	میرا	٨	مرا
١١٩	جہاں سے	١٠	جہاں اک
١١٩	مجھے آنکھوں سے اوجھل کرنیوالے	١٣	مری آنکھوں سے اوجھل ہونیوالے اتنا بتلا دے
١١٩	سر کیا	١٣	ترے
١٢٠	ترانسان	٥	ترا انسان
١٢١٠	کوئی تو آخر شنو فریادرس ہم غریبوں کا	٦	کوئی آخر کبھی فریادرس ہوگا غریبوں کا
١٢١		٦	یہ شعر نظری تھا۔ کاتب نے غلطی سے لکھ دیا
١٢٣	کنکھیوں کی نگہ بھی جسکی	٣	کنکھیوں سے بھی جسکا دیکھنا
١٢٥	ہوتا ہے	٦	ممکن ہے
١٢٥	اور	٨	کوئی

صفحہ	غلط	سطر	صحیح
۱۲۶	اب یہ عقیدہ	۱	فیصلہ اب یہ
۱۲۷	بزم فطرت	۹	بزم ہستی
۱۲۷	خنجر	۹	بستر
۱۲۹	خان دان	۴	خاندان
۱۲۹	آنکھوں میں	۱۲	آنکھوں سے
۱۳۰	ہستی انسان کی فطرت سے	۸	آدمی کے دل کی خلقت سے
۱۴۰	دیں	۴	ہے
۱۴۵	برداشت نہیں	۱	شرمندہ ہوا
۱۵۶	نالوں میں جگر جگر میں نالہ بھی نہیں	۵	نالہ جیسے کہیے ایک نالہ بھی نہیں
۱۵۸	ہزار	۳	ہزاروں
۱۸۳	پیمانہ سے تمام	۲	پیمانہ بے شمار
۱۸۶	کہنے کا نہیں شعور	۴	اتنا ہو کسے شعور
۱۹۰	اپنے گھائل کی چارہ سازی تیری	۵	کتنی دلکش ہی چارہ سازی تیری
۱۹۱	جتنے شاید	۴	جتنے پہلے
۱۹۹	عین	۱۲	بلکہ
۲۰۴	مجھے	۷	تو سے



"سرودِ عشق"

جب صبح گلابی ہونٹون سے پیغام نور سناتی ہے
جب شب کی اندھیری دن کی ضیا سے آکے گلے مل جاتی ہے
جب مہر درخشان کی کرنون سے دنیا ہوتی ہے نورانی
جب جانین چلتی پھرتی ہین مٹ جاتی ہے سب ویرانی
جب دھوپ کی کثرتِ تابش سے دنیا کی زمین گرماتی ہے
قہر خورشید درخشان سے جسوقت ہوا تھرّاتی ہے
جب دنیا سب تھک جاتی ہے جب نور کا دن ڈھل جاتا ہے
جب شام جہان کو ڈھکتی ہے جب شب کا اندھیرا آتا ہے
جب رات کا دلکش سناٹا دُنیا پر ہوتا ہے طاری
جب سب اعضا سو جاتے ہین جب جاگتی ہے روح کو بیداری

جب اپنی حالت جاننے والے اپنے آپ سے ڈرتے ہین
جب اپنے گناہ آتے ہین نظر جب دل کے داغ اُبھرتے ہین
کچھ تم کو اس کی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین
جب فکرون کی تاریکی سے دل جینے سے گھبراتا ہے
جب رنج کے بادل آتے ہین جب درد سے جی اکتاتا ہے
جب کوشش ضایع جاتی ہے جب اپنی قسمت پھرتی ہے
جب وصل کی راحت ٹٹتی ہی جب ہجر کی بجلی گرتی ہے
جب عزلت کی تکلیفون مین جانکاہ صدائین آتی ہین
جب خلوت کی بشاشی سے دل کی کلیان کھلجاتی ہین
جب اپنے پرائے صدمون سے ہوتا ہے دل پر غم طاری
جب درد و الم سے ہوتی ہی خود زیست ہمین اپنی بھاری
جب ہوتا ہی لبریز مئے الفت سے دل کا پیمانہ
جب نامعلوم طریقون سے بنتا ہے یگانہ بیگانہ
جب بنتے کام بگڑتے ہین جب بگڑے کام سنورتے ہین
جب روح کو کلفت ہوتی ہی جب جی پر رنج گذرتے ہین

کچھ تم کو اسکی خبر بھی ہے ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب باد نسیم کے جھونکون سے گلشن مین شجر لہراتے ہین
جب پتّی پتّی ہنستی ہے جب غنچے تان لگاتے ہین
جب مستی مین مرغان چمن ہوتے ہین گرم غزلخوانی
جب شبنم کے دانون پہ صبا کرتی ہے سبحہ گردانی
جب میکدہ گلشن مین روان پھولون کے ساغر ہوتے ہین
جب مست مئے پندار و خودی جامے سے باہر ہوتے ہین
جب مہر منور سے گلشن پر طور کا عالم ہوتا ہے
جب اشک ندامت موسیٰ کا ہر قطرۂ شبنم ہوتا ہے
جب شاخین سجدے کرتی ہین جب فصل بہاری آتی ہے
جب باد خزان کی گرمی سے سبزی کی تری جلجاتی ہے
جب بادل جوش مسرت سے آنکھون مین آنسو بھرتے ہین
جب کالی گھٹائین آتی ہین دل کے جذبات ابھرتے ہین

کچھ تم کو اسکی خبر بھی ہے ہم یاد تمھاری کرتے ہین

"معمائے فطرت"

شب کے سناٹے مین جب خاموش ہوتا ہی جہان　　میری چشم دوربین ہوتی ہی اکثر خونفشان
جب نہین ہوتی مخل کوئی صدا نزدیک و دور　　محو فکر اسوقت ہوتی ہے میری طبع غیور
دل ہی دیتا ہی جواب اور دل ہی کرتا ہی سوال　　اس طرح ترتیب پا جاتی ہی اک بزم خیال
جنبش برگ شجر سے تا بہ رفتار خیال　　اس دل مضطر کو ہے ہر چیز سے حیرت کمال
صبح کاذب کا سمان یہ صبح صادق کا ظہور　　جلوۂ رنگ افق مین نغمہ سنجی طیور
وہ طباق نور سب کہتے ہین جسکو آفتاب　　راز ہستی جہان نشتر زن رگہائے خواب
جھونکے وہ ٹھنڈی ہوا کے مایۂ جان بہار　　جنمین مضمر ہے سراسر راز امکان بہار
دن کا وہ بڑھنا وہ دنیا مین حرارت کا فروغ　　جس سے ہوتا ہی ہویدا نور فطرت کا فروغ
شام کا دلکش سمان نیرنگ چرخ فتنہ ساز　　گیسوے شب کا وہ روے روز پر ہونا دراز
چہرۂ دنیا پہ وہ تاریکی شب کی نقاب　　وہ ستارون کا چراغان اور نور ماہتاب

دور از امکان عقل از بس تحیر زا ہین یہہ
کس طرح ہین کس زمانے سے ہین کیون ہین کیا ہین یہہ

یہ قمر یہ مہر یہ تارے یہ رنگ آسمان　　یہ زمین یہ باد و باران یہ شفق کی سرخیان

یہ چمن یہ پھول یہ تپے یہ پھل یہ سبزہ زار
یہ لب جو یہ سمندر یہ فضائے کوہسار

یہ جبل یہ دشت یہ ہامون یہ ریگ و خاک و سنگ
یہ سحاب و برق یہ موسم یہ ابر رنگ رنگ

آخران چیزون مین وجہ ربط باہم کون ہے
خود اگر پیدا نہین خلاّق عالم کون ہے

برتر از دنیائے فانی کوئی ہے بھی یا نہین
اس بھری محفل کا بانی کوئی ہے بھی یا نہین

جل رہی ہین ہر طرف کیونکر عناصر کی کلین
جل رہی ہین کسطرح شمس و قمر کی مشعلین

خود بخود جلتی ہین یا انکو جلاتا ہے کوئی
آپ ہی جلتی ہین یا انکو جلاتا ہے کوئی

صبح تک رہتا ہے اکثر اس طرح کا پیچ و تاب
پر نہین ملتا ہے اطمینان کے قابل جواب

"شاعری"

آہ اے مشاطۂ زلف مضامین بلند
رہبر راہ خدا ہادی جانِ دردمند

رازدار ضبط دل اے پردہ دار راز نفس
کاشفِ اسرار باطن عکس سوز و ساز نفس

اے بہار بیخزان اے آفتاب لازوال
کر نہین سکتا تجھے دور زمانہ پائمال

اے نشانِ رفتگاں اے رنگِ خونِ ناب جگر　　نورِ قلب باصفا تفسیرِ جذب پُر اثر

تو وہ گوہر ہے ترے بدلے خزانے کو لدین　　تو وہ جوہر ہی تجھے لے لین جواہر تولدین

رونقِ بزمِ خیال اے جلوہ گاہ شمعِ جان　　اے شبیہِ دردِ دل تصویرِ جذباتِ نہان

جسپہ سو جان سے ہی صدقے دلِ وہ تیرا ناز ہی　　جسنے عالم کو کیا بسمل ترا انداز ہے

خونِ دل کھا کر بھی جسکو تیری نعمت ملگئی　　صدمۂ جانکاہ تنہائی سے فرصت ملگئی

اے انیسِ گوشۂ عزلت گزینانِ الم　　اے شریکِ حال ارصاحبانِ درد و غم

تو وہ سودا ہی کہ لین ہم راحتِ جان کے عوض　　تو وہ سودا ہی نہ دین ہم جنسِ دوران کے عوض

اے زبانِ غیب۔ اے نیچر کی سچی ترجمان　　نیرِ افلاکِ شہرت یادگارِ رفتگان

جی لبھاتی ہی طپش جسکی وہ دردِ جان ہے تو　　دل کو بھاتی ہی خلش جسکی وہی پیکان ہے تو

کب تیری معراج کے ہمسر ہے معراجِ شہی　　تیری قدموں پر تصدق سیکڑوں تاجِ شہی

"پپیہا"

وہی تان پھر سنا دے میرے خوش نوا پپیہے　　میرے دلربا پپیہے میرے خوش ادا پپیہے

اُٹھی دردمند دل سے اسی صوت مضمحل سے　　تیرے عشق کے تصدق ہی یہ اگ گا پپیہے

مری نیند اچٹ گئی ہے تری صوت جانفزا سے
دل مضطرب ہے بیکل اسے تو سُلا پپیہے

یہ گھٹائین کالی کالی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے گدگدا رہے ہین کہ تو کچھ سُنا پپیہے

تجھے جسطرح ہی حاصل یہ کمال عشق پیسان
وہی راہ رسم الفت مجھے بھی سکھا پپیہے

یہ دھرا ہے نسخۂ دل یہ کھلا ہے باب حسرت
جسے پھر کبھی نہ بھولون وہ سبق پڑھا پپیہے

کوئی رشک گل دکھا دون کسی سرو سے ملا دون
تری بیکلی کا آخر ہے علاج کیا پپیہے

ترا صبر اور توکل ترا ضبط اور قناعت
تجھے آفرین پپیہے تجھے مرحبا پپیہے

یہ غضب کی آہ وزاری یہ بلا کی بیقراری
تجھے کس کا ہی تصور ارے کچھ بتا پپیہے

"تیتلی"

اُٹھہر جا پیاری تیتلی شاخ گل پر کوئی دم
تیرے ان رنگین پرون کے ہین بہت مشتاق ہم

حسن صدقے ہی ترے رنگ پہ پرواز پر
لوٹی جاتی ہین ادائین تیرے ہر انداز پر

اُڑتا پھرتا ہی ہوا پر ساغر زرین کوئی!
کر رہی ہی سیر یا معشوقۂ رنگین کوئی

سب کے یوسف حسن خود آیا ہی یا بازار مین
پڑ گئی ہی جان تازہ یا گُل گلزار مین

یا مصورِ شوخیِ معشوقۂ رعنا ہے تو / یا مجسم رنگِ وفاے عاشقِ شیدا ہے تو

جسم ہلکا سا ترا بازو سبک اور پر سبک / آتشِ گلشن کے ہیں شعلے سبک اخگر سبک

کالی، پیلی، نیلی، عنابی، گلابی، سبز، لال / تو نظر جس رنگ میں آتی ہے ہے دلکش کمال

ہلکی پھلکی گرچہ ہے تو اک ذرا سی جاندار / دیکھتے ہیں تجھ میں ہم نیرنگِ قدرت کی بہار

باعثِ حیرت ہے۔ رنگینی تری۔ ہم کیا کہیں / پھول اک اڑتا ہوا یا باغ چھوٹا سا کہیں

کر رہی ہیں رنگ یا خود سیرِ دوشِ باد پر / ٹکڑے یا قوسِ قزح کے اڑتے آتے ہیں نظر

اڑتے پھرتے دیکھتے تجھ کو ہوا میں شاد شاد / اک عجب حسرت سے بچپن کی ہمیں آتی ہے یاد

سخت کوشش پر ہمارے بھی نہ ہاتھ آتی تھی تو / تجھ تلک چٹکی پہونچتی تھی کہ اڑ جاتی تھی تو

معترف ہوتے تھے چالاکی کے تیری دمبدم / اور ہوا پر تجھ کو پہروں تاکتے رہتے تھے ہم

آہ وہ دن کیا ہوئے جب رنج سے ہم دور تھے / تتلیوں سے بھی سوا معصوم تھے مسرور تھے

اب نہ وہ اگلی سی آزادی نہ وہ اگلا سا دل / ہاں فقط ہے گردشِ ایام و طبعِ مضمحل

اب کہاں ننھا سا دل اور آرزوے رنگ و بو / صحنِ گلشن میں کہاں اب تتلیوں کی جستجو

ننھی تتلی تیری ہستی کا اگر ظاہر ہو راز / منکشف ہو رشتۂ خلقِ خداے بے نیاز

ہاں وہ محفل اور تھی سامانِ محفل اور تھا
سچ تو یہ ہے لے رواں ہم اور تھے دل اور تھا

"لاوارث بچہ"

آہ اے نوواردِ بزمِ رباطِ روزگار　　آہ اے تازہ اسیرِ گردشِ لیل و نہار
آہ اے دیباچۂ شرحِ کتابِ دردِ دل　　آہ اے عنوانِ بابِ اضطرابِ جانگسل
آہ اے سرنامۂ افسانہائے جانگداز　　آہ اے سرخیِ مضمونِ نوائے سوز و ساز
آہ اے نوبت نوازِ ماجرائے حسن و عشق　　آہ اے افشائے رازِ انتہائے حسن و عشق
آہ اے طرفہ بیانِ داستانِ وصل و ہجر　　آہ اے زندہ نشانِ ترجمانِ وصل و ہجر
آہ اے روشن چراغِ کلبۂ تارِ فراق　　آہ اے پرفن سراغِ رازہائے اشتیاق
آہ اے تعبیرِ خوابِ مستِ ایامِ شباب　　آہ اے تفسیرِ کیفِ بادۂ جامِ شباب
آہ اے زنجیرِ پائے نازکِ وہم و گمان　　آہ اے تصویرِ احساسات و جذباتِ نہان
آہ اے خمیازۂ سرمستیِ اندازِ حسن　　آہ اے آوازۂ جان بخشیِ اعزازِ حسن
آہ اے آوارۂ خاموشیِ شبہائے تار　　آہ اے نقارۂ روپوشیِ دور از دیار
سچ بتا بچے ترا وارث ترا والی ہے کون　　پھول ہے تو کس شجر کا اور ترا مالی ہے کون
سچ بتا بچے تجھے خاکِ وطن کا واسطہ　　پھول ہے تو جس چمن کا اس چمن کا واسطہ

زینتِ آغوش ہے تو جسکی وہ مادر ہے کون　　نور ہے جس گھر کا تو بچے بتا وہ گھر ہے کون

سچ بتا وہ دل کہاں ہے جس کا اک ٹکڑا ہے تو　　آہ وہ آنکھیں کہاں ہیں جنکا اک تارا ہے تو

اختصارِ طولِ آزارِ نہانی ہے سچ بتا　　اے خمارِ بادۂ کیفِ جوانی ہے سچ بتا

کیا اُڑا لائی کسی گلزار سے تجھکو صبا　　پھول ہوتے ہیں جہاں ایسے ہی پیدا خوشنما

یا عناصر میں ہوئی ترتیب پیدا اسقدر　　خود مرکب ہوگئے اور بنگئے شکلِ بشر

تو کوئی مجموعۂ انوارِ اعلیٰ تو نہیں　　پھول خود رو تو کسی خود رو شجر کا تو نہیں

تو کوئی اسرارِ پنہانی کا دفتر تو نہیں　　تو کسی میخانۂ معنی کا ساغر تو نہیں

گر نہیں لائی صبا تزئینِ گلشن کیلئے　　لائے ہونگے دیوتا انسان کے درشن کیلئے

حیف کیا میں مان لوں دنیا کے لوگوں کی دلیل　　تجھکو سمجھوں ثمرۂ بدکاریٔ نفسِ ذلیل

آہ یہ تیری ادا حسنِ تحیر زا ترا　　روکشِ لطفِ تبسم۔ آہ یہ رونا ترا

یہ ترا ننھا سا قد اور ننھے ننھے ہاتھ پانوں　　یہ ترا گورا سا منھ اور گورے گورے ہاتھ پانوں

دل نہیں کہتا کہ بدکاری کا ہے انجام تو　　ہو رہا ہے گرچہ دنیا میں یونہی بدنام تو

حیف ہے لیکن اگر لوگوں کا کہنا ٹھیک ہو　　حیف ہے گر آدمی کی عقل یوں تاریک ہو

ہائے کیا انسان کا ہو سکتا ہے یوں بھی خون سفید　　ڈالدے گھورے پہ اپنا مرکزِ جذبِ امید

توبہ توبہ حضرتِ انساں کی یہ کمزوریاں　　اور اسپر اشرف المخلوق ہونیکا گماں

پال لینا کچھ ترا مان کو تیری مشکل نہ تھا
سنگریزہ تھا مگر پہلو مین اُسکے دل نہ تھا

یون نہ کرتی ورنہ مان اپنا فشار آرزو
یون بناتی خود نہ مان دل مین مزار آرزو

حسن کا برباد ہونا کچھ مجھے بھاتا نہین
میرے مالک! کچھ سمجھ مین راز یہ آتا نہین

باپ مان کے نفس سرکش کی کہانی ہائے ہائے
اے معاذاللہ۔ بچے کی زبانی ہائے ہائے

خودغرض انسان! تیری خود پرستی الاماں!
یہ تیری ناعاقبت اندیش مستی الامان!

خیر یہ جو کچھ بھی تھا مان باپ ہی کا فعل تھا
اہل دنیا کو خلش معصوم بچے سے ہو گیا

آہ اے مظلوم اے رمز حقیقت کی شبیہ
آہ اے معصوم اے انوار قدرت کی شبیہ

دار فانی کی ابھی تو نے ہوا کھائی نہین
تجھ مین نامعصومیت۔ بد باطنی آئی نہین

یا خوشی ہو جائیگی تیری مدار آرزو
یا کریگا آسمان تیر افشار آرزو

چند روز اِس عالم سفلی کا ہے مہمان تو
جائیگا دنیا سے لیکر حسرت اور ارمان تو

منظر عالم سے تو کرلیگا جسدم آنکھ بند
یہ کہینگے سانس ٹھنڈی بھر کے تیرے دردمند

"پھول تو کھلکر بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

لطف تو جب ہے کہ ہم کو کچھ بھی تیرا غم نہو
رونے والے روئین لیکن آنکھ اپنی نم نہو

کوئی گر پوچھے روان ہم سے کہ یہ کیا ہوگیا
ہم کہین دریا سے قطرہ ملکے دریا ہوگیا

شوہر کُش حسینہ

بیوفا سمجھوں تجھے یا باوفا سمجھوں تجھے
حسن فطرت کے فرشتے بول کیا سمجھوں تجھے

سخت حیرت ہی مجھے اے حسن تیرے حال پر
دلشکن سمجھوں تجھے ۔ یا دلربا سمجھوں تجھے

حسن کو کہتا ہوں مین ظلِ خدا نقش خدا
حسن کو پامال یون پاتا ہون کیا سمجھوں تجھے

نور پیدا ہے دل زاہد کا تیرے حسن مین
کیا سراپا کوئی قلب پارسا سمجھوں تجھے

کیا تجھے مظلوم کج فہمی دنیا ۔ مان لون
یا مجسم مین کوئی سحر جفا سمجھوں تجھے

یا تجھے جلوہ طراز شان رعنائی کہون
حسن کے پردے مین یا کوئی بلا سمجھوں تجھے

مان لون یا ٹھیک کج فہمان دنیا کی دلیل
اک مجسم صورت کفر و ریا سمجھوں تجھے

ہوش گم ہین عقل مختل ہے سراپا اضطراب
آج لے آیا کہان ہم کو دل خانہ خراب

اے حسینہ حسن صورت مین مہ ثانی ہو تو
تیرا وہ انداز ہے جیسے کوئی رانی ہے تو

قید ہی تجھ کو اگر بھاتی ہو میرے دلمین آ
کسلئے مٹی کی دیوارونکی زندانی ہے تو

انجمن افروز ہوتی آہ تو وہ شمع تھی
کس لئے زندان مین وقف سوز پنہانی ہو تو

قدسیون مین ہو جگہ تیری ترا وہ حسن تھا ۔۔۔ سچ بتا کیون مبتلائے عالم فانی ہے تو
اپنے پہلو سے ہٹا کر کسنے بھیجا تجھکو جیل ۔۔۔ کون نابینا ہے ایسا جسکی دیوانی ہے تو
قید خانے مین ہے تو محلو نمین ہونا تھا تجھے ۔۔۔ سچ تو یہ ہے اک سراپا حسن نورانی ہے تو
دوسرون کو تو کوئی وجہ تمسخر ہو تو ہو ۔۔۔ مجھکو لیکن باعث تکلیف روحانی ہے تو

حسن تیرا دیکھکر یہ تیری حالت دیکھکر
کیا کہون جو کچھ گذرتی ہے دل بیتاب پر

اب مین سمجھا تیری اس حالت کا جو افسانہ ہے ۔۔۔ حسن صورت حسن سیرت سے تری بیگانہ ہے
جسطرح لیتا ہے کوئی جام اپنے ہاتھ مین ۔۔۔ یہ سمجھکر اس مین مے ایہ ساغر میخانہ ہے
اور لگا کر لب سے رکھ دیتا ہے جب پاتا ہے وہ ۔۔۔ نام بھی مے کا نہین پیمانہ ہی پیمانہ ہے
بس اسی انداز کا ہے تیرا حسن فتنہ زا ۔۔۔ تو کسی کی بھی نہین عالم تیرا دیوانہ ہے
مے سے خالی جام زرین بھی جو ہاتھ آیا تو کیا ۔۔۔ اور شے ہے جسپہ قربان نعرہ رندانہ ہے
مستی الفت ہے جو آنکھون مین دیتی ہے مزہ ۔۔۔ اور یون کہنے کو چشم نرگس مستانہ ہے
تیرا عاشق حسن معشوقانہ تیرا دیکھکر ۔۔۔ یہ سمجھتا تھا کہ تیرا دل بھی معشوقانہ ہے
حسن بد کردار کے اس حال سے واقف نہ تھا ۔۔۔ کیا خبر تھی دشمن جان صورت جانانہ ہے
عاشقون کے دل بھی لیکن کتنے بھولے بھالے ہین ۔۔۔ حسن دیکھا جسجگہ سمجھا یہین متوالے ہین

یہ جفائین اے نگاہ ظلم پرور کس لئے — یہ ستم تو نے کئے آخر ستمگر کس لیئے
جانگدازی کو نگاہ نازکافی تھی تری — حلق عاشق پر کیا تھا تیز خنجر کس لئے
کیا رہیگا آہ تبلا تیرے پاے ناز پر — تو نے کاٹا عاشق جانباز کا سر کس لئے
اضطراب دل کا تھا کیا کم تماشا دلفریب — رقص بسمل کا ہوا منظور منظر کس لئے
کیون کیا بدنام تو نے حسن کی عصمت کو آہ! — داغ ڈالا دامن شرم وحیا پر کس لئے

کام تو نے اے حسین جلاد کا کیونکر کیا؟
خون اپنے شوہر ناشاد کا کیونکر کیا؟

تیرا یہ حسن شرر انگیز اک ہوکا ہی تھا — کچھ نہ تھا تجھ مین گل خوش رنگ کا نٹونکے سوا
ہم سمجھتے تھے تجھے پیمانۂ آب حیات — جام زرین! آہ لیکن تیرے اندر زہر تھا
رنگ کافوری کو ہم مرہم سمجھتے تھے ترے — زخم دل مین لیکن اس سے اور نشتر چبھ گیا
اب مین سمجھا تیرے رخسارون پہ یہ سرخی نہین — رنگ خون آرزو ہے عاشق ناشاد کا
خون عاشق اسلیے تجھکو نہ کرنا تھا پسند — مین نے یہ مانا تجھے رنگ حنا سے شوق تھا
حشر تک اب یہ لہو ہاتھون سے چھٹنے کا نہین — جا نہین سکتی کبھی سرخی خون بجھا،
قتل شوہر کے لئے تو نے اٹھایا ہاتھ جب — مجھکو حیرت ہے نہ تھیر ا گیا کیون کھٹ پڑا
تجھکو لازم تھا کہ رکھتی دل سے شوہر کو عزیز — آنکھ کے پردہ مین مثل غیرت و شرم وحیا

مین پرستش حسن کی کرتا ہون لیکن آہ حیف
اب بقسمت پر تری مجبور مین بھی ہو گیا

دلنوازی جسمین ہو ہے قابل تحسین وہ حسن
جان کا دشمن ہے اس حسن سے کیا فائدا

حیف لیکن کچھ قرینہ اسطرح فطرت کا ہے
حسن کے ہاتھون ہمیشہ ظلم دنیا مین ہوا

حسن ہیلن سے ہوئی روما مین اک جنگ عظیم
حسن نوشابہ نے اسکندر کو نادم کر دیا

حسن لارا سے رہا پیٹرارک اٹلی مین ذلیل
ڈانٹی خود بیٹرس کے حسن سے تھا بینوا

حسن سیتا نے کیا لنکا کو تاراج جدال
دروپدی کے حسن نے یہ حال بھارت کا کیا

حسن کی خاطر گوارا ہے ہر اک ظلم و ستم
ہان مگر جب حسن پرستی ہو عصمت کی جلا

پاسدار حسن ہون لیکن یہان نادم ہون مین
ان حسینون مین کسی کا حسن شوہر کش نہ تھا

گرچہ ماہ و سال کیا صدیان گذر جائین تو بھی نہین
خون شوہر کا وہ دھبا ہے کہ مٹ سکتا نہین

آہ اے مقتول اہ اے کشتہ۔ اے نخچیر حسن
آہ اے صید جراحت خوردہ شمشیر حسن

آہ اے دیوانہ سودائے حسن بے نیاز
آہ اے مست خمار بادۂ تاثیر حسن

آہ اے جانباز اے محو تماشائے بتان
آہ اے شکوہ طراز جور عالمگیر حسن

آہ اے فریادی بے اعتنائیہائے دوست
آہ اے مسرور لطف نالہ شبگیر حسن

آہ اے مخمور سم گیسوے افعی سرشت
آہ اے تازہ اسیر حلقہ زنجیر حسن

سچ بتا دے تجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی
حسن عالم سوز کو کیون تجھ سے ایسی کد ہوئی

ربط ہو باہم دلون مین یہ تری قسمت نہ تھی — اور روٹھے کو منانے کی کوئی صورت نہ تھی
اس سے تو بیزار تھا یا تجھ سے تھا بیزار حسن — دوسرے کو کیون گوارا ایک کی قربت نہ تھی
حسن کو تو نے نگاہون سے گرایا تو نہ تھا — فلسفہ سے تو تجھے دن رات محویت نہ تھی
یا نہین تو رکھ سکا کمزور رشتے کا خیال — فرض انسانی سے تو تجھکو کہین نفرت نہ تھی
یا جنون لطف آزادی کا خمیازہ ہے یہ — حسن سرکش کو دبانا۔ یہ تری ہمت نہ تھی
فرق تھا باہم خیالون مین بھی کردار مین بھی — مین نے یہ مانا مگر پھر کیا کوئی صورت نہ تھی

یہ خیال اکثر حقیقت جاننے والون کا ہے
یہ مآل کار سب بگڑے ہوے حالون کا ہے

دل کو شاعر کے مگر تسکین یون ہوتی نہین — اسطرح کیچڑ مین پڑ جائے یہ وہ موتی نہین
دل کو صدمہ ہے کہ ہو اسطرح رسوائی حسن — سم قاتل کا کرے کیون کام آخر انگبین
چاہیے شوہر پرستی اور ہو شوہر کشی — مرتکب ہو حیف ایسے جرم کا ایسا حسین
دلنوازی کے عوض ہو جانگدازی کی ہوس — اسطرح بھی حسن کو گمراہ دیکھا ہے کہین
آہ کس مشکل سے نکلی ہوگی اس شوہر کی جان — کیسی کچھ گھبرائی ہوگی نزع مین روح حزین

دل مین حسرت روح کو صدمہ جگر کو بیکلی | حلق پر خنجر نظر کے سامنے ماہ مبین
اسطرح ضدین ہو جائین بہم قدرت تو ہے | دخل کچھ سر خدا مین عقل انسان کا نہین
راحت کونین فطرت کا تبسم ہے فقط | اور غم دنیا اسی فطرت کی اک چین جبین
خادم حسن حسینان مین زیادہ کیا لکھون | میرے دل کا ہی یہ مستحکم عقیدہ بالیقین

حشر مین جب سب جزاے رنج و راحت پائینگے
حسن کے مجروح اور مقتول جنت پائینگے

"الوداع"

لارڈ بایرن کی نظم FAREWELL کا ترجمہ

الوداع تا آمد روز قیامت الوداع | ذوق دیدار الوداع امکان وصلت الوداع
مین نہین ہون گو عموماً خوگر عفو قصور | حشر تک تجھ سے مرا دل ہو نہین سکتا نفور

تجھ کو مین دکھلا سکون کاش اپنا پہلو چیر کر | مدتون تک کر چکا ہی جسپہ تکیہ تیرا سر
اور شباب آلودہ آنکھون سے رہا تو محو خواب | اب وہ نیندین پھر نہین آئینگی تا روز حساب

کھا کے یہ حسرت بھرا دل ایک تیر چشم ناز　　　کھولدے اے کاش راز پردہائے سوز و ساز
تا کہ ہو جائے تجھے آخر خیال اس بات کا　　　دل کو کرنا اسطرح پامال کام اچھا نہ تھا

گرچہ دنیا کو ہوا انداز ستم تیرا پسند　　　اور کرے زخم جگر پر میرے دنیا نشخند
تیری یہ تعریف ہوگی طبع نازک پر گران　　　غیر اڑائینگے اگر زخمون پہ میرے پھبتیان

مین نے یہ مانا کہ تھا مین جامۂ نقص و قصور　　　پھر بھی مجھ کو اپنی اس حالت پہ حیرت ہے ضرور
زخم کاری کیا انھین ہاتھون سے کھانا تھا مجھے　　　ہاتھ کل تک جو حمایل میری گردن مین رہے

دیکھنا اب بھی غلط فہمی نہ ہو جائے کہین　　　اسطرح بے ربط دل سے دل ہو یہ ممکن نہین
امتداد وقت سے لیکن یہ ممکن ہے ضرور　　　دور رہتے رہتے ہو جائے محبت دل سے دور

اب بھی تیرے دل کا معشوقانہ عالم ہے وہی　　　میرا دل خون ہو گیا اور کاوش غم ہے وہی
دل کو برماتا ہے ہر لحظہ مگر اب یہ خیال　　　حشر تک ہی تجھسے اب اے جانجان ملنا محال

صدمۂ فرقت کے آگے شدت غم کچھ نہین ہیچ یاد رفتگان میت کا ماتم کچھ نہین،
ان دلون کو رہ کے یون محروم دیدار حبیب جیتے جی ہر صبح سوز ہوگی ہو گا نصیب

سنکے جب بچے کے منھ سے تم رہو گی شادمان میٹھے میٹھے ٹوٹے پھوٹے لفظ تتلاتی زبان
ابّا کہنا تم سکھا دگی اُسے بعد از سلام یہ سمجھکے بھی کہ ابّا سے نہین کچھ اُسکو کام

جب وہ افراط محبت سے کریگا تم کو پیار بوسہ تم ہونٹونکا اُسکی لوگی ہو کر بیقرار
گر مناسب ہو تو اسکا بھی کبھی کرنا خیال جو تمھارے عشق مین ہے دلگرفتہ خستہ حال

ہو اگر ہمشکل میرا - وہ میرا نادان غریب جسکا دیدار اب نہ ہو گا عمر بھر مجھ کو نصیب
دور رہکر تم سے ہو سکتا نہین مین دل سے دور عشق کا جذبہ مجھے وجہ الم ہو گا ضرور

تو خطا وار سے میری ممکن ہے واقف ہو مگر اس جنون شوق کی بے گیر کسی کو کیا خبر
ہے میری امیدگاہ شوق تیری جستجو، تیرے قدمون پر تصدق میری جان آرزو

مٹ گیا دل ہو گیا ساری تمناؤں کا خون   میری خودداری جو تھی مستغنی دنیا و دون
تیرے آگے شوق سے کرتی ہے خم فرق نیاز   تو خفا ہے یا ۔ خفا ہے میری جان دلنواز

ہو چکا ہونا تھا جو کچھ ہے عبث آہ و فغان   میری یہ ہرزہ سرائی اور بھی ہے رائیگان
حیف قابو میں نہیں میرے مگر تیرا خیال   میں اسے چاہوں سمجھا ہوں جو ہے حسرت کمال

الوداع اب کر رہا ہے عاشق فرقت نصیب   اُس سے سب سے دور جسکو دل سمجھتا تھا حبیب

خستہ جان ۔ مہجور ۔ مایوس بہار زندگی
زندہ درگورم باین لیل و نہار زندگی

"آنسو"

ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہستی تل بھر   اللہ اللہ اعجب چیز ہے آنسو بھی مگر
جسکے آغوش میں ہے برق جہنڈ کی دکان   جسکی جنبش میں ہے طوفان کا تموج پنہان
خرمن افشان ہے جو دم سے وہ دانہ یہ ہے   کان سیماب کی بجلی کا خزانہ یہ ہے

دیدۂ تر سے جو بہ جائے وہ الماس ہے یہ — ٹوٹ کر دل میں جو رہ جائے وہ الماس ہے یہ
قلب کی کشتیِ شکستہ کا لنگر آنسو — چشم مانند صدف صورت گوہر آنسو
زہر آلود سنانوں کی خلش ہے اس میں — شعلۂ نار جہنم کی طپش ہے اس میں
جس سے بالشرح ہو جذبات درون کا اظہار — جب زبان بند ہو اور سلب ہو تاب گفتار
توڑ کر آبلۂ دل کو بہانے والا — آہوے چشم حسینان میں سمانے والا
نکلے آنسو نہ چھلک جائے اگر کلفت غم — قلب سم خوردہ ہو دم بھر میں فنائے ماتم
دشت رخسار وہی اور رم آہو بھی وہی — صدف چشم بشر بھی وہی لولو بھی وہی
سیکڑوں رنگ سے آنسو ہیں مگر جلوہ فروز — راحت و رنج و حیا یاس و عبادت غم و سوز
ایک وہ اشک جو ہوں جوش مسرت میں عیاں — قہقہہ جس پہ تصدق ہو تبسم قربان
اپنے جامے میں سماتا ہی نہیں جب انسان — رہ نہیں سکتی ہے دل میں مئے عشرت پنہان
ایک وہ اشک جو ہوں آئینہ بردار الم — عکس درد دل ناکام شبیہ ماتم
دل کے رستے ہوئے ناسور جو بڑھ جاتے ہیں — اشک تر دیدۂ مغموم میں بھر لاتے ہیں
ایک وہ اشک جو ہوں شرم کی آنکھوں میں عیاں — ایک موتی ہیں ہو صد برق تبسم پنہاں
بند آنکھیں رہیں اور آنکھ کے اندر آنسو — چشم مانند صدف صورت گوہر آنسو
ایک وہ اشک جو ہو قلب شکستہ کا نقیب — شکوۂ قسمت و افسانۂ برگشتہ نصیب

دیدۂ یاس مین آتے ہین یہ کہکر آنسو — اب بہین گے نہ کبھی آج سے بہکر آنسو

ایک وہ اشک جو ہون درد محبت مین روان — خازن جنس وفا مخبر صد کاہش جان

کہتے ہین دیدہ عاشق سے نکلکر آنسو — فاش دل بنتی ہین آنکھون مین گہلکر آنسو

ایک وہ اشک جو دین قلب کو بیوہ کے قرار — چارہ سازون کی تسلی سے نہ جب ہو سروکار

سب براہین و دلایل کا جواب ایک نگاہ — ڈبڈبائی ہوئی آنکھون سے خدا ہی کی پناہ

ایک وہ اشک جو ہون قوم کے غم مین جاری — جس سے سیماب کی ہو قلب پہ حالت طاری

غیر کے درد مین گر خون جگر ہو پانی — رونے والے کو گدائی مین ملے سلطانی

تار آنسو کا جو ہو دیدۂ تائب کو حصول — جا سکے جسپہ دعا تا بہ سر بام قبول

رات ہو۔ بند ہون آنکھین۔ کوئی آواز نہو — اور بجز ذات خدا ہمدم و ہمراز نہو،

یہی آنسو ہین جو مقبول خدا رہتے ہین — یہی آنسو ہین کہ جنکے لیے ہم کہتے ہین

ہوتے گر سات سمندر کے فراہم موتی — ایک آنسو کے برابر بھی نہ قیمت ہوتی

”بستر بیمار“

یون تو ہو جاتا ہی مایوسی مین ہر دل بیقرار — ہے مریض غم کا لیکن سخت ابتر حال زار

ضعف سے بیکار سب اعضا سراسر ہو گئے ــ ہے عیان پوشاک پر بھی ہڈی ہڈی کا ابھار
جسم مین اب فرط غم سے خون اتنا بھی نہین ــ جسکو کر دے قلب مضطر نذر چشم اشکبار
منظر عالم سے ساری خوبیان جاتی رہین ــ اب کہان لطف ہوا ئے باغ و سیر کوہسار
بار ہین آنکھونکو پلکین انکا اٹھانا اُف رے ضعف ــ ایک فقرہ ہے نگاہ لاغر بیمار زار
اب کہان ہین آرزو ئے دلکی وہ بے باکیان ــ اب کہان ہے شوق کا وہ جذبۂ بے اختیار
جسم لاغر اور تن محزون کا جب یہ حال ہو ــ کیا بیان ہو کیا رقم ہو اُسکے دل کا اضطرار
ایک محشر ہے بپا اُسکے تخیّل مین مگر ــ کشمکش مین ہے مریض مضطرب کی جان زار
اکطرف مستغنیٔ عالم ہے جان درد مند ــ اک طرف دامن کشان بچونکا اخلاص اور پیار
اک طرف مایوسیٔ دل مقتضائے ترک حرص ــ اک طرف دل مین خیال مہجبین غمگسار
اکطرف ہے بند غم سے رستگاری کی امید ــ اک طرف ہے کوشش عزم سفر کا انتشار
اک طرف امید شوق راحت خواب اجل ــ اک طرف اندیشۂ آفات دور روزگار
جان بیمار حزین کو چین آئے کس طرح ــ مبتلا ہے سخت حیرانی مین عقل سادہ کار
رفتہ رفتہ پھر خیال اس سے جاتا ہے گذر ــ دل پہ چھا جاتا ہے یاد عمر رفتہ کا غبار
پھرتا ہے نظرون مین اُسکے لڑکپن کا سمان ــ اور پھرتی ہے نگاہ مین جوانی کی بہار
دیکھتا ہے ہر طرف حسرت بھرے انداز سے ــ یاد آتے ہین اُسے سب ہمنشین و غمگسار

یاد آتے ہین اُسے آپ اپنے اعمالِ قبیح — دل ہی دل مین اپنے ہوتا ہی نہایت شرمسار
چاہتا یہ ہے کرے اُنکی تلافی کچھ مگر — یہ خیال آتا ہے آخر ہے حیاتِ مستعار
یہ خیالات اُسکو کر دیتے ہین آخر مضطرب — ہتدادِ زیست کی ہوتی ہی حسرت بار بار
بس اسی اثنا مین ہو جاتا ہی غالب ضعفِ قلب
اور ہو جاتا ہے آنکھون مین جہان تاریک و تار

ویرانِ قصرِ شاہی اور ہم

قدرتاً ہی مجکو شوق سیرِ آثارِ کہن — فطرتاً ہی مجھکو ذوقِ علمِ اسرارِ کہن
جب کوئی کہنہ مناظر دیکھنے جاتا ہون مین — اک عجب عالم مین اپنے آپ کو پاتا ہون مین
مجھکو اُجڑی بستیون سی خاص دلچسپی سی ہی — اور اُنکے ساکنون سے ایک ہمدردی سی ہی
غور کرنا ٹوٹی دیوارون پہ بھاتا ہی مجھے — ایسا اُجڑی بستیون مین لطف آتا ہی مجھے
خواہ مسجد خواہ مندر خواہ ہو کوئی مکان — نقشِ کہنہ مین ہین اُسکے خاص جذبات نہان
اُجڑے محلون سی جو آتی ہی صدائے بازگشت — طرفہ افسانے سناتی ہے صدائے بازگشت
عاشقون نے گفتگو سرمستیِ جذبات مین — کی تھی جو آہستہ تنہائی مین بھیگی رات مین

ہمکو تبلاتی ہی آ کر صدائے بازگشت | عہد ماضی کا ہی اک دفتر صدائے بازگشت
پہلے کچھ احکام سلطانی سناتی ہی مجھے | قصہ شان جہانبانی سناتی ہے مجھے
پھر سناتی ہی مجالس کی طرب انگیزیان | شوخی حسن ملاحت زا کی شکر ریزیان
عہد پیشین کے لطیفے کچھ سناتی ہی ہمین | کچھ رلاتی ہی مجھے اور کچھ ہنساتی ہی ہمین
ہم سے پوچھے آکے کوئی اجڑے ایوانون کا حال | انکے ساکن کون تھے اور کیا ہوا انکا مآل
ذرہ ذرہ مین یہاں کے جوہر تقریر ہے | ریزے ریزے مین یہاں کے نطق کی تاثیر ہی
ہر قدم پر پانون کے نیچے جو آتی ہی زمین | داستان حالت ماضی سناتی ہے زمین
اس جگہ کچھ عیش کچھ عشرت کے سامان دفن ہین | اس جگہ کچھ آرزوئین چند ارمان دفن ہین
آرزوے حد شہرت کی یہان پر قبر ہی | جستجوے لطف جنت کی یہان پر قبر ہے
دلربائی اور دلآزاری کی حد ہے اسجگہ | عاشقی اور ناز برداری کی حد ہی اسجگہ
اسجگہ پر ہے مزار شوکت و شان غرور | اسجگہ پر دفن ہی اسباب امکان غرور
نالہ شبگیر زاہد اسجگہ پر ختم ہے | حسن عالمگیر شاہد اسجگہ پر ختم ہے
تیغ جوہر دار کی حد اسجگہ پر ہو گئی | حسن بد کردار کی حد اسجگہ پر ہو گئی
اسجگہ ہے بیکسی اور نامرادی سو رہی | قبر ہے یہ شوخی حسن فسون پرداز کی
دب گئے ہین کچھ جواہر غیر سفتہ اسجگہ | دفن ہین کچھ غنچہائے ناشگفتہ اسجگہ

مرقدین ہین کچھ جو ن فتنہ سامان کی یہان   چاک داما ن کی یہان ، چاک گریبا نکی یہان
ساقی توبہ شکن ہے اسجگہ آرام مین   شاہد نازکبدن ہے اسجگہ آرام مین
ذرّہ ذرہ کہہ رہا ہے اپنی اپنی داستان   لو سنو افسانہاے ریزہاے استخوان
اسطرح کہتا ہے اک ہڈّی کا ٹکڑا ابر ملا،   عالم فانی کا ہے مجھمین تماشہ بر ملا،
مین وہ پنجہ ہون کہ جسمین آکے تیغ آبدار   شیرافگن صف شکن مردونکو کردیتی تہی خوار
چارسو عالم مین شہرہ تھا شجاعت کا مری   جاہ و حشمت کا مری اور شان و شوکت کا مری
کتنے گھر ابتر کیے تھے مین نے اپنے ہاتھ سے   کتنے تن بے سر کیے تھے مین نے اپنے ہاتھ سے
میرے تیشے کی چمک سے مہر کو تابندگی   میرے خنجر کی چمک سے برق کو شرمندگی
زندگی مین مل سکی کافی نہ راحت جب مجھے   قبر کی تعمیر اپنے خواب راحت کیلیے
بعد مردن بس یہی آرام کی تدبیر تھی   بس یہی گویا بقاے نام کی تدبیر تھی،
آدمی کو کام ہے اولاد سے دو چار پشت   ہا! ... بقا ... نام ہے اولاد سے دو چار پشت
آگئے ہین فاصلے پر اسقدر ماضی سے ہم   جانتے یہ بھی نہین تھے کون جدِّ محترم
رفتہ رفتہ ہونگے اکدن بے نشان افراد مین   یعنی ہم گمنام ہونگے اپنی ہی اولاد مین
دور اندیشی سے کی تعمیر مرقد کی پسند   تا نہ پہونچے امتداد وقت سے ہم کو گزند
حیف اب کچھ بھی نہین اُس قبر کا باقی نشان   ورنہ ہوتا تمکو اُسکی پایداری کا گمان

قبر بنوائی گئی تھی اس حفاظت کے لئے — اب محافظ کا کوئی ذرہ نہین محفوظ ہے

سرگذشت عالم فانی سنانیکے لئے — ہم ابھی ہین ٹھوکرین دنیا کی کھانے کیلئے

دوسرا ریزہ یہ کہتا ہے نہ پوچھو میرا حال — ظلم سے میرے تھی اک خلقت کی خلقت پائمال

کیا ہون مین ہا اک حلقۂ چشم فسون پرداز ہون — مین سراپا عشوہ ہون اور مین سراپا ناز ہون

مین نے صدہا سرکشون کا حال ابتر کر دیا — جسطرف دیکھا اُدھر عالم کو مضطر کر دیا

سرکشان رزم پر آشوب ـ شیر کارزار — تھام لیتے تھے کلیجہ جب میرا پڑتا تھا وار

مین نے کتنے قیصرون کا ساز و سامان لیلیا — دین کتنون کا لیا ـ کتنون کا ایمان لیلیا

پی کے میری اک نظر سے شربت آب حیات — نیمجان کتنے ہوے سیراب شاداب حیات

داستان وقت رفتہ آہ لیکن تا کجے — یہ بیان وقت رفتہ آہ لیکن تا کجے

ہین یہ اُجڑی بستیان صفحات تاریخ قدیم — ان کو ویرانہ نہ سمجھو ہین یہان روحین مقیم

کوئی کیف عبرت آموزی کا متوالا تو ہو
صاف آتی ہین نظر ـ ہان دیکھنے والا تو ہو

انتظار معجزہ

وقت غروب آفتاب حالت انتظار مین — بیٹھی ہے اک مہجبین محو خیال یار مین

اُلجھے ہوئے ہیں سر کے بال جامہ تمام پُر شکن
چہرہ پر ایک سادگی جسمیں ہزار بانکپن،

قاعدہ شمار سے ختم ہے اب فراق ودوست
اسلیے اور تیز ہے آتش اشتیاق دوست

دل میں خیال کرتی ہے ڈاک کا وقت ہے یہی
آج جو خط نہ آئیگا خیر نہیں ہے جان کی

اتنے میں اک کنیز نے مژدہ جانفزا دیا
دل کی مراد مل گئی نامہ لیا صلا دیا

ظلمت یاس ہٹ گئی نور نشاط چھا گیا
رُوح شگفتہ ہو گئی - چہرہ پہ رنگ آگیا

کھنچ کے چمن سے چہرہ میں رُوح بہار آ گئی
قلب و جگر کی تازگی سارے مکان پہ چھا گئی

گو کہ دبی زبان میں باتوں کا انکشاف ہے
آج ضرور آئینگے - پھر بھی یہ بات صاف ہے

کرتی تھی ہر طرح درست اپنے سنگار کی پھبن (۲) ایک لباس اُتار کر کرتی تھی ایک زیب تن

شام سے تا بہ نیمۂ شب کرتی رہی وہ محو ناز
کوشش نزدیا دِ حسن فکر ادائے دلنواز

زیب تن آخری لباس جب وہ حسینہ کر چکی
جتنا تھا دل میں حوصلہ اتنا ہی بن سنور چکی

جا کے حضور آئینہ داد طلب ہوئی وہ حور
اپنے بیاض حسن پر صاد طلب ہوئی وہ حور

آئینہ مست ہو گیا دیکھ کے یہ ادائے حسن
قلب پہ نقش کر لیا عالم جانفزائے حسن

بن کے سنور کے ہر طرح بیٹھی وہ تشنہ کام شوق (۳) دل میں خیال رہے یار کا وہ ہمہ تن شوق

کوئی صدا سنی اگر دل نے کہا وہ آ گئے
کوئی چلا ادھر ادھر دل نے کہا وہ آ گئے

بیٹھی اگر وہ تھوڑی دیر چشم حواس کرکے بند — دیکھا کہ آ رہے ہیں وہ۔ باصد ادائے دلپسند
آنکھیں کھلیں تو کچھ نہ تھا ٹوٹ گیا طلسم سب — رات کا دلشکن سکوت عزلت جانگزا غضب
چھپ گئے تارے اور ماند روشنی قمر ہوئی (۴) سحر امید رد ہوا۔ رات ڈھلی سحر ہوئی
شب تھی وہ مست بادۂ الفت جام آرزو — اب تھی فریب خوردۂ سحر پیام آرزو
رات کے خوشنما لباس اسنے کیے تمام دور — پہنا پرانا جامہ اک اس سے بھی دل رہا نفور
بیٹھی سمٹ کے اسطرح ایک طرف وہ مہ جبین — آنکھوں میں اشک حال زار قلب طپیدہ دل حزین
آئینہ تھا قریب ہی اسپہ جو جا پڑی نظر (۵) بڑھ گئی حیرت اسقدر ہٹ گئی پیچھے چونک کر
سوچی کہ یہ نتیجۂ حزن و ملال تو نہیں — خلقت وہم تو نہیں سحر خیال تو نہیں

آئینہ محو حسن تھا خلوت خاص تھی۔ مگر
صورت یار آئی تھی۔ دیدۂ شوق کو نظر

"منظر عبرت"

منظر عبرت ہے اے رہرو ذرا تھم دیکھ لے — روبرو آئینہ اسرار عالم دیکھ لے
حالتیں دیکھیگا پھر ایسی بہت کم دیکھ لے — حسرتوں کا خون۔ ارمانوں کا ماتم دیکھ لے

داستانِ خانہ ویرانی ذرا سن لے تو جا

سرگذشت عالم فانی ذرا سن لے تو جا

تجھ سے کہنے کا نہیں میں دولت و ثروت کا حال   تجھ سے کہنے کا نہیں میں شوکت و عظمت کا حال

میں سناؤں گا نہ تجھکو عیش و عشرت کا حال   میں سناؤنگا نہ تجھکو جاہ اور حشمت کا حال

ایک مفلس کی کہانی تجھ سے میں کہنے کو ہوں

اپنا دکھ اپنی زبانی تجھ سے میں کہنے کو ہوں

تنگدستوں میں بہت ممتاز تھا نمبر مرا   خدمت مادر پدر دولت مری زیور مرا

مرکز لطف و مدارا تھا یقیناً گھر مرا   گانؤں میں میرے رہا کرتا تھا ذکر اکثر مرا

گرچہ میں ظاہر میں اک مفلوک سا مزدور تھا

لیکن اپنے گانؤں میں سب سے بھلا مشہور تھا

میری بیوی گھر کے دھندوں میں ہے بیحد ہوشیار   تو اگر دیکھے تو اسکو کہہ نہیں سکتا گنوار

مجھ میں اسمیں وہ محبت تھی کہ زر تو درکنار   میری جان اس پر فدا اور اسکا دل مجھ پر نثار

دولت و ثروت نہ تھی لیکن محبت دل میں تھی

ساری عالم میں نہ تھی جو بات اس محفل میں تھی

رات کل گذری تھی ہم دونوں کی رہ کر پاس پاس   کچھ نہ تھا آفات عالم سے ہمیں خوف و ہراس

قلب تھے نا آشنائے فرقت و تکلیف یاس   ایک دن میں اسقدر دوری کا تھا کسکو قیاس
جانتے کیا تھے کہ دو گھنٹہ میں کیا ہونے کو ہے
میری ہستی موت کے ہاتھوں فنا ہونے کو ہے
جب چلا تھا آج مزدوری پر آنے کے لئے   بھائی چپلا تھا میرا ٹوپی منگانے کے لئے
میری بیوی آئی تھی اسکو منانے کے لئے   ڈالکر آنکھوں میں آنکھیں مسکرانے کے لئے
مرکز امید ہائے خانماں میں ہی تو تھا
سب سے بہتر ایک فخر خاندان میں ہی تو تھا
خیر میں نے اس جگہ آکر کیا آغاز کام   ہاتھ تھے مصروف محنت دل میں شوق لطف شام
ایسا کچھ مخدوش تو پہلے نہیں تھا یہ مقام   ورنہ کرتی کچھ نہ کچھ سرکار اس کا انتظام
جسکی تہ میں تھا وہ دس گز کا گہرا غار تھا
غار میں بھی ایک جانب خاک کا انبار تھا
فاصلے پر تھے میرے ساتھی بھی کچھ مصروف کار   کرتے تھے تعریف جو محنت کی میری بار بار
بس یہ عالم تھا کہ ٹوٹی ایک اوپر سے کگار   جس نے آکر بھر دیا مٹی سے گھٹنوں تک وہ غار
میں پکارا دوستو - دوڑو یہ حالت کیسی ہے
پاؤں میرے اٹھ نہیں سکتے یہ آفت کیسی ہے

چند ساتھی سُنکے اسکو مسکرا کر رہ گئے　　کچھ نکل آنے کے مجھا ڈھب بتا کر رہ گئے
پانون کچھ امداد کو میری اُٹھا کر رہ گئے　　کچھ میرے اِس حال پر آنسو بہا کر رہ گئے
دفعتًا پھر یہ صدا اُوٹھی کہ یہ کیا ہو گیا
دیکھئے بیٹھے بٹھائے حشر برپا ہو گیا

بال گنگادھر تلک کی وفات پر

عجیب راز ہے نیرنگِ عالمِ فانی　　جسے سمجھنے سے قاصر ہے عقلِ انسانی
بلائے رُوح ہے اس زندگی کی طغیانی　　ہر ایک بات ہے اک موجب پریشانی
نہ لطف جینے مین ہے کچھ۔ نہ لطف مرنے مین
جو لطف ہے تو کوئی کام کر گذرنے مین
جیے وہ لوگ بھی دنیا مین جو تھے خانہ خراب　　کہ حرص جینے کی تھی جنکو زندگی کا عذاب
خراب اُنکا لڑکپن رہا تباہ شباب　　عمل تھے جنکے زمانہ کو وجہ استعجاب
جیے اگر تو کسی نے بھی کی نہ کچھ پروا
مرے اگر تو کسی نے بھی کی نہ آہ و بُکا

کچھ ایسے لوگ بھی رہتے ہیں خلق میں ہر آن — جو افتخار عزیزاں ہیں نازشِ دوراں
ذرا سی اُنکی مصیبت پہ خلق ہے نالاں — ہے اُنکی سر کی گرانی ہر اک بشر کو گراں

ہے اُنکو رنج تو ہر فرد کو خیال ہے یہ
کہ بس ہمارے کسی فعل کا مآل ہے یہ

اس امتیاز میں موقع نہیں تحیر کا — مقدرات عمل ہی کا نام ہے دُنیا
مآل زیست ہے نیکی بلا غرض کرنا — ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

دگر نہ جینا ہی کچھ فخر کا مقام نہیں
کہ زیست آمد و رفت نفس کا نام نہیں

ہوئے ہیں جمع جو آج اس مقام پر احباب — ہر ایک قلب ہے مضطر۔ ہر ایک دل بیتاب
اس اجتماع عزیزاں سے یہ غرض ہے جناب — کہ اُسکی زیست پہ آنسو بہائیں سب احباب

حبیب قوم جو دکھ دوسروں کا سہتا تھا
کسی کو درد ہو وہ اشکبار رہتا تھا

زبان و دل میں تفاوت نہ جسکے تھا اصلا — وہی عمل بھی کیا دل سے جو زبان سے کہا
کڑی اُٹھائی سہیں سختیاں وطن چھوڑا — شکن جبیں پہ آئے۔ مگر مجال یہ کیا

ارادہ باندھ کے ہٹنا نہ جسنے سیکھا تھا

قدم بڑھا کے پلٹنا نہ جسنے سیکھا تھا،

جگر میں جسکے تھا اک خار قوم کا ادبار — ہمیشہ مدنظر تھا جسے وطن کا سدہار
لیاقت اور فضیلت میں علم کا اوتار — مزاج منکسر اور طبع خوگر ایثار
فدائے نقش قدم تھے اگرچہ دولت و مال
کیا نہ بھول کے تن پروری کا جسنے خیال
گذشتنی ہے یہ دنیا نہیں ہے موت کا غم — نظر اس کا نہیں ہے فقط اسیکا الم
نجات روح کو دے اسکے خالق عالم — ہماری خود غرضی ہے کہ اشکبار ہیں ہم
تلک نہیں ہیں مگر اونکا کام باقی ہے
چراغ راہ ترقی یہ نام باقی ہے

"رحلت بال"

آلودہ خاک و خون میں پڑا تھا زمیں پہ بال — دکھن کی سمت پاؤں تھے۔ سر جانب شمال
بیٹھا ہوا سکوت میں تصویر کی مثال — تھا اشک ریز بال کا فرزند خستہ حال
سگرپو چپ تھا۔ بال کے قاتل خموش تھے

چہرہ کا رنگ بنکے اوڑے سب کے ہوش تھے

عالم کچھ اس طرح کی اوداسی کا تھا وہان چھایا ہوا تھا چار و نطرف موت کا سمان
کھنچنا وہ ہاتھ پائون کا زخمی کے ہر زبان بھرنا وہ کروٹون کے بدلنے مین سسکیان

حالت تھی ایسی نزع مین مجروحِ زار کی
تصویر کھنچ گئی تھی دلِ بیقرار کی

نظرین اُٹھین ہر ایک کی اِک سمت دفعتًا آتی ہوئی دکھائی دی اک شعلہ پیرہن
غم کی شبیہ نقشِ الم صورتِ محن پژمردہ مثلِ برگِ خزان دیدۂ چمن

شدت یہ رنج کی تھی کہ بیکار تھے حواس
گیسو اُلجھ کے لٹکے تھے شانون کے آس پاس

آکر قریب بال کھڑی ہو گئی وہ حور بس اتنے فاصلے سے کہ نزدیک اور نہ دور
حالت یہ کرب کی تھی کہ دم کرتا تھا قصور کچھ کہہ سکا نہ مُنھ سے مگر یہ ہوا ضرور

بسمل نے چشمِ یاس سے ایسی نگاہ کی
دُشمن جو دیکھتے تھے اُنھون نے بھی آہ کی

خاموش تھوڑی دیر رہی گو وہ سرفروش تسخیر کر رہی تھی یہ گویائیِ خموش
نظرین پکارتی تھین کہ سر ہے وبالِ دوش محویت اسقدر تھی نہ تھا تن بدن کا ہوش

بیٹھے تھے گرچہ اپنے پرائے ادھر اُودھر
اسکو سوائے بال نہ آتا تھا کچھ نظر

طُغیانِ خیال ہوئی رفتہ رفتہ کم　　مشکل ہوا سکوت سے اظہار رنج و غم
ایسی نظر سے حسین تھی حیرت غضب اِلم　　دیکھا بسمت رام پہ شکوہ ستم
پھر ایک بار آکے فغان لب پہ رک گئی
جس سے گلہ تھا اُنکی نظر مل کے جھک گئی

جب شکوہ خموش ہوا رام سے تمام　　تارا ملک کے یون ہوئی شوہر سے ہمکلام
اب جی کے کیا کرونگی رہا کیا جہان مین کام　　دنیا کے جاہ و عیش کو بس آج سے سلام
دل کو سرور قلب کو راحت نصیب تھی
قدمون مین آپ کے مجھے جنت نصیب تھی

کس بیجگر نے آپ کا سینہ کیا فگار　　وہ کون ہے کہ جسکو نہین خوف کردگار
کرتا نہین ہے کون عزیز دل کو اپنے پیار　　نادان ہے کون غافل اسرار روزگار
ہے کوئی حد بھی اس ستم بیحساب کی
زخمی کیا تمھین میری مٹی خراب کی

آخر لپٹ کے سینہ شوہر سے ایکبار　　گویا ہوئی وہ سوختہ سامان بحال زار

میرے بغیر تو تمہین آتا نہ تھا قرار — یہ کون سی وفا ہے بھلا اے وفا شعار
روٹھے ہو یون کہ قفل دہن کھولتے نہین
مین لاکھ بات کرتی ہون تم بولتے نہین

اے پران ناتھ مجھسے ہوئی کونسی خطا — کیون منھ سے بولنا بھی نہین ہے کہتے تم روا
برتاؤ اسطرح تو تمھارا کبھی نہ تھا — اس دلشکن سکوت کا آخر سبب ہے کیا
کچھ تو زبان سے مری خاطر سے بولیے
امرت کے گھونٹ ہین مجھے الفاظ آپکے

تھا اپنی خوش نصیبی پہ دنیا مین مجھکو ناز — ناآشنائے درد تھی کلفت سے بے نیاز
آتا نہین سمجھ مین یہ قدرت کا میری راز — اللہ ری ستمگری چرخِ فتنہ ساز
دل سے حضور کے مری الفت جدا ہوئی
قالب سے روح - پھول سے نکہت جدا ہوئی

مجھکو تو خواب مین بھی کبھی تھا نہ یہ خیال — یون گلشنِ شباب مرا ہوگا پائمال
تقدیر پر تھا اپنی عقیدہ مجھے کمال — کیا جانئے کس عذاب کا ثمرہ ہے اب یہ حال
اب اپنے ہم نشینون مین کیا منھ دکھاؤنگی
کل تھی سہاگن - آج مین بیوہ کہاؤنگی

یہ کہکے اُسنے جانب سگریو کی نگاہ کی　　دل مین کمال درد۔ لب جانفزا پر آہ
بولی کہ کیا یہی تھی محبت کی رسم و راہ　　بھائی کی ناؤ ہاتھ سے بھائی کے ہو تباہ

سگریو کیا یہ قوت بازو کا فرض تھا
وہ کام کر دکھائے جو دشمن نہ کرسکا

جب تک کہ مہر و ماہ ہین دنیا مین آشکار　　یہ بات بھی رہیگی زمانہ مین یادگار
بہر حصول سلطنت و دولت و وقار　　بھائی کے خون کا ہوا بھائی گناہگار

عالم مین چار دن کی تمنا کے واسطے
عقبیٰ بگاڑ بیٹھے ہو دنیا کے واسطے

دو دن کی دھوپ چھاؤن ہے دنیا کا مال و زر　　الفت کو بھائیون کے ہے حاصل بقا مگر
لچھمن کی اس وفا پہ مناسب ہے اِک نظر　　بھائی کے ساتھ آئے ہین گھر بار چھوڑ کر

غیرت اگر ہو دل مین تو سگریو دیکھہ لو
لچھمن بھی ایک بھائی ہین اور تم بھی بھائی ہو

مانا کہ دوستی کا نہین مستحق تھا بال　　انگد کی کم سنی کا تو لازم تھا کچھہ خیال
یون انگلیان اُٹھین گی تو کیا ہوگا انفعال　　یہ وہ ہین جنکے ہاتھ ہین بھائی کے خون سے لال

بنیا پوری ہین راج کو کس منہہ سے جاؤ گے

اہل وطن کو کون سی صورت دکھاؤ گے

فریاد کی پھر آکے سری رام کے حضور
قسمت مین تھا یہی مری کیا آپ کا قصور
کرنا ہے پھر بھی عرض مجھے اسقدر ضرور
ہے خون بیگناہ کا رسم شہی سے دور
یہ کام کچھ سمجھ مین نہ آیا حضور کا
اپنی غرض کو خون کیا بیقصور کا

چترکوٹ

آیا نظر جو دور سے اڑتا ہوا غبار
لچھمن کے دلکو ہونے لگا سخت انتشار
کی عرض یون حضور شہ آسمان وقار
کچھ ہو رہے ہین خطرہ کے آثار آشکار
تسکین حصول تخت سے شاید ہوئی نہین
یہ فوج ہے بھرت کی مرے دل کو ہے یقین
گرد و غبار دیکھ رہے ہین حضور کچھ
نزدیک آگئی نہین افواج دور کچھ
شک ہے مجھے کہ آج خطر ہے ضرور کچھ
نیت مین آگیا ہے بھرت کی فتور کچھ
اسکا سوائے جنگ کے انجام کچھ نہین

اس قافلہ کا ورنہ یہاں کام کچھ نہین

خواہش بھرت کی ہے کہ مری جان رہ نجائے — پھر انقلاب کا کوئی امکان رہ نجائے
مشکل کوئی بھی ہونے سے آسان رہ نجائے — اچھا کیا بھرت کوئی ارمان رہ نجائے

یہ اسپ و فیل تیغ و تبر فوج واژدحام
ہم جوگیون کے قتل کا اللہ رے اہتمام

دشوار ہے یہ کام کچھ آسان مگر نہین — شاید ہمارے زور کی انکو خبر نہین
گو میرے پاس نام کو تیغ و تبر نہین — قدمون مین ہون مین آپ کے کچھ مجھکو ڈر نہین

گر حکم جنگ مجھکو شہ ذوالکرام ہو
دم مین بھرت کی فوج کی ترکی تمام ہو

عبرت کی جا ہے اور یہی افسوس کا مقام — بھائی کو قتل کا ہے ہمارے خیال خام
کیسی بری جگہ ہے یہ دنیا ہے جس کا نام — دل مین بھرت کے ورنہ یہ سودائے انتقام

بھائی بھرت سا اور حسد کا شکار ہو
سو بار لیکے جان برادر پہ وار ہو

لچھمن کے منھ سے سن کے یہ الفاظ رشت کین — کانون کا اپنے رام کو ہوتا نہ تھا یقین
کچھ فکر مند کچھ متعجب جبین بہ چین — بولے غلط خیال ہے ایسے بھرت نہین

دل میرا، میری جان ۔ مرا ناز ہین بھرت
دنیا کے بھائیون سے سرافراز ہین بھرت

جگنو سے جیسے آگ کا جلنا محال ہو — اہل وفا کے قول کا ٹلنا محال ہے
مغرب سے آفتاب نکلنا محال ہے — لچھمن یونہی بھرت کا بدلنا محال ہے

بھائی کہان جہان مین ایسے وفا شعار
یون ہو کے بدگمان نہ ہو تم گناہگار

آئینہ ہے غبار سے خالی بھرت کا دل — ہے اک نظیر پاک خیالی بھرت کا دل
ہے ایک ظرف ہمت عالی بھرت کا دل — جوہر ہے انتخاب لآلی بھرت کا دل

جام جہان نما ہے بھرت کا دل غیور
یہ بدگمانیان ہین تمہاری خرد سی دور

رام اور لکشمن مین تھی یہ گفتگو یہان — تصویر اضطراب و الم تھے بھرت وہان
بولے شکستہ من سے کہ اے نازش جہان — قدوم رام کہان اور مین کہان

مل جائے خاک پا بھی پئے قشقہ جبین
مجھ کو امید اپنے مقدر سے یہ نہین

سیتا کو اس وفا پہ رفاقت پہ ناز ہو — لچھمن کو اپنے حسن اطاعت پہ ناز ہو

خدمت پر اپنی اپنی سعادت پہ ناز ہو　　جائے جو چتر کوٹ کو قسمت پہ ناز ہو
وحش و طیور بن کے سعادت نصیب ہیں
اک ہم ہیں بدنصیب جو فرقت نصیب ہیں

یہ بات کہتے کہتے بھرت ہوگئے رواں　　اُس سمت کو جدھر نظر آتا تھا کچھ دھواں
اس اضطراب سے جو نہیں قابلِ بیاں　　دل اشرمسار طبع حزیں چشم خونفشاں
سمجھے کہ بس فرودگہِ رام ہے یہی
ختم مصائب و غم و آلام ہے یہی

دیکھا تو ہے بھبھوت بدن پر لگی ہوئی　　سو بار جس پہ صدقے ہو ملبوس قیصری
رونق فزا ہیں داہنے پر لکشمن جری　　اور بائیں پر ہیں ہمدم و ہمراز جانکی
کرتا تھا کسب نور جوارواح پاک سے
چمکا تھا اور زنگ بدن رنگ خاک سے

یہ دیکھکر بھرت کو ہوا اسقدر ملال　　چلا اُٹھے کہ جان برادر یہ کیا ہے حال
دیکھے وہ آکے جو ہے طلبگار ملک و مال　　اور ہو غریق لجۂ تحقیر و انفعال
اللہ رے حرص۔ ذوقِ تمنا کے واسطے
عقبیٰ پہ خاک ڈالی ہے دنیا کے واسطے

رام اٹھ کھڑے ہوئے جو بھرت پر پڑی نظر
لپٹا لیا گلے سے برادر کو دوڑ کر

منظر وہ تھا فرشتے بھی حیران تھے چرخ پر
نقش الم ادھر یہ۔ وہ تصویر غم اُدھر

کلفت جو تھی دلوں میں وہ اشکوں سے دھو گئی
اتنا بھر آئے دل کہ زبان بند ہو گئی

خاموش تھوڑی دیر رہے یوں بھرت وہاں
مہر سکوت لب تھی اور چشم خونفشاں

دل مائل کلام تھا کھلتی نہ تھی زبان
آخر بلک کے مطلب دل یوں کیا عیاں

نالاں ہے خلق تخت شہی دلفگار ہے
چلیے حضور سارا اودھ بیقرار ہے

"پیامِ رکمنی"

سواد ہند میں اک شہر کندن پور نامی تھا
اور اسمیں حکمراں تھا اک معزز بھیشمک راجہ

دوشیزہ رکمنی دختر تھی اسکی حسن میں یکتا
روکم تھا بھیشمک کے سارے لڑکوں میں بڑا لڑکا

روکم اور بھیشمک کو رات دن یہ فکر رہتی تھی
کسی ہمسر کے گھر میں روکمنی کی جلد ہو شادی

روکم نے رفتہ رفتہ رکمنی کا عقد ٹھہرایا معزز پنڈتوں اور عالموں کو پہلے بلوایا
مبارک ساعتوں میں طالع ہمشیر دکھلایا موافق عقد کی تجویز کو جب ہر طرح پایا

مقرر کر دیا اک یوم شادی کا بھی خوش ہو کے
ادا ہونے لگیں شادی کی رسمیں دونوں جانب سے

مگر تھی روکمنی نادیدہ عاشق شیام سندر کی نہ تھی ماں باپ کو اصلا مگر اسکی خبر کچھ بھی
وفور شرم سے کہتی نہ تھی کچھ منھ سے بیچاری مگر ہاں دل ہی دل میں رات دن گھٹ گھٹ کے رہتی تھی

بس اسکی چادر شرم و حیا غم پوش تھی گویا
بھری محفل میں روکمن شعلۂ خاموش تھی گویا

تلک بھی ہو گیا اور یوم شادی بھی قریب آیا یہاں تک بیاہنے شسپال کندن پور میں پہونچا
بس اب تو روکمنی کا دل نہایت درجہ گھبرایا برہمن اک معزز نیک اور سنجیدہ بلوایا

شریک درد کر کے رازداری کی قسم دیکر
کہا میری طرف سے شیام سندر کے قدم لیکر

برادر کے جفاؤں کی حقیقت اُنسے کہہ دینا یہ سب ناگفتنی طومار حسرت اُنسے کہہ دینا
عزیزوں کی مسرت میری کلفت اُنسے کہہ دینا یہاں کی سب طوفان خیز حالت اُنسے کہہ دینا

یہ کہہ دینا کہ دامان تحمل چاک ہوتا ہے

کوئی دم مین بس اب رو کمن کا قصہ پاک ہوتا ہے

کشاکش پاس غیرت اور غم الفت کی تبلانا
یہ حالت انتہائے درد اور حسرت کی تبلانا

خرابی میری اس ناگفتنی حالت کی تبلانا
یہ کیفیت مری بیزاری و وحشت کی تبلانا

یہ کہنا دست بستہ۔ ضبط اندوہ و فغان کبتک
رہیگا شمع پروانے مین پردہ درمیان کبتک

سمجھ کر بات کرنا تو ذرا اے قاصد دانا
پیام و خط سے پہلے اشک تر آنکھون مین بھر لانا

کمال عاجزی سے پھر سر جانب سے سمجھانا
قیامت ہے کسی تکلیف کا حد سے گذر جانا

یہ اظہار تمنا۔ بے حجابی تا نہ ہوجائے
وفور سوز غم وجہ خرابی تا نہ ہوجائے

میرے قاصد یہ حالت اُنسے سب تو رکھہ دینا
فشار آرزو حال دل مجبور کہہ دینا

حکایت سوز غم کی درد کا مذکور کہہ دینا
یہ ساری داستان عشق نا منظور کہہ دینا

سنا دینا اُنھین تو ماجرائے درد دل میرا
بتا دینا اُنھین تو حال زار و مضمحل میرا

جو پوچھین نام میرا شیام کی، بدنام تبلانا
جو پوچھین کام تفریح دل ناکام تبلانا،

جو پوچھین وجہ کلفت عشق کا انجام تبلانا
جو پوچھین حال ضبط درد کا سرسام تبلانا

وطن پوچھیں تو کہنا یوں تو اک مشکل میں رہتی ہوں
مگر اب عاشقی کی آخری منزل میں رہتی ہوں

بتا کر ہر طرح قاصد کو آئین جبین سائی
کنار بام تک دینے کو نامہ رکمنی آئی

کمال شرم سے پہلے تو اشک آنکھوں میں بھر لائی
بھری اک آہ اسکے بعد اور یہ بیت فرمائی

"عجب دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد"

یہ تھا تیر ادا زیب کمان یا خط تھا چٹکی میں
مجسم تھا کوئی سوز فغان یا خط تھا چٹکی میں

قمر تھا جلوہ بخش کہکشان یا خط تھا چٹکی میں
مصور تھا کوئی درد نہان یا خط تھا چٹکی میں

دل رکمن اسیر حلقہ تحریر تھا گویا +
یہ خط جذبات احساسات کی تصویر تھا گویا +

ادھر قاصد نے چادر صورت آغوش پھیلائی
ادھر خط کو ہوا چٹکی سے ہاتھوں ہاتھ لے آئی

وہ حسرت خیز منظر تھا ملائک تھے تماشائی
بس اک دم دیدنی تھی رکمنی کی شکل پیمائی

ہوا نے عین محویت میں آنچل سر سے سرکایا :
مگر اس مست صہبائے محبت کو نہ ہوش آیا +

اڑا قاصد ہوا سے رنگ روے عاشقان ہو کر
حضور شام جا پہونچا خیال دوستان ہو کر

ادب سے ختم رنگ گیسوئے عنبر فشاں ہو کر   بیاں سارا کیا احوال رکمن کی زباں ہو کر

زبانی کہہ چکا جب حال سارا قاصدِ دانا
کمال عاجزی سے خط کا تحفہ نذر گذرانا

سُنی جب رکمنی کی داستان درد و بیماری   تو اک حسرت کا عالم شیام سندر پر ہوا طاری
اُسی دم ہو گئی رخصت شکیب و صبر و خودداری   ہوئی اُنکے عوض رنج و الم کی گرم بازاری

اثر انداز جذبِ عشق رکمن ہو گیا آخر
جو ناممکن نظر آتا تھا ممکن ہو گیا آخر

جو خط کھولا تو ضبط درد کی روداد پیدا تھی.   وہاں زخم تھا ہر دایرہ فریاد پیدا تھی
ہر اک نقطہ سے شانِ کوشش برباد پیدا تھی   شکستِ آرزوئے خاطرِ ناشاد پیدا تھی

اثر کس طرح آخر شیام سندر پر نہ ہو جاتا
کہ یہ خونِ جگر سے رکمنی نے خط میں لکھا تھا

معاف اے رازدار کلفت صدمات مجبوری   معاف اے پردہ پوشِ حالت تکلیف معذوری
معاف اے دردمند ستم صدمہ دوری   معاف اے غمگسار اضطرار ضبط و مجبوری

اجازت اے رفیق نا امیدیہائے بیتابی
اجازت اے انیس سرگرانیہائے بیخوابی

لحاظِ شرم و پاس آبرو کی حد بھی ہے آخر　　مرے مولا شکستِ آرزو کی حد بھی ہے آخر
جفائے آسمانِ فتنہ خو کی حد بھی ہے آخر　　خیالِ مصحفِ آئینہ رو کی حد بھی ہے آخر

قدم میں آج راہِ عاشقی سے ہٹ کے دھرتی ہوں
کہ اب ضبطِ فغاں ممکن نہیں فریاد کرتی ہوں

کروں گی انکشافِ حال کی تقصیر جو کچھ ہو　　دکھاؤں گی تمھیں جذبات کی تصویر جو کچھ ہو
سناؤں گی تمھیں حالِ الم تاثیر جو کچھ ہو　　سزاوارِ کرم ہوں یوں تو پھر تعزیر جو کچھ ہو

شرارے ہوتے ہیں ضبطِ نہاں کے سوز سے پیدا
اب اس سے بھی زیادہ دردِ الفت اور کیا ہوگا

برادر کی شرارت باعثِ فریاد ہوتی ہے　　نئی ہر دم جہانِ ظلم میں ایجاد ہوتی ہے
جو ہوتی ہے تو جلد اب آپ کی امداد ہوتی ہے　　نہیں تو قیدِ غم سے رکمنی آزاد ہوتی ہے

نہیں ہوتا گوارا عقدِ نامنظور کا مجھکو
مناسب ہے اُنھیں قدموں سے رشتہ دور کا مجھکو

نہیں زنہار مشکل مجھکو ترکِ قالبِ خاکی　　موافق جب نہیں آئیں ہوائیں باغِ دنیا کی
یہ میری زندگی ہے اک یہ ہی اک مرگِ طولانی　　مرے مالک مجھے اس زندگی سے موت ہی اچھی

خیالِ غیر رکھتا ہے مجھے پامال ہر ساعت

لگا رہتا ہے اب اندیشۂ سپسال ہر ساعت

بسے ہو گلشن خاطر مین میرے گل کی بو ہو کر — سمائے ہو مرے دل مین خود اپنی آرزو ہو کر
رگ جان مین ہمیشہ جلوہ فرما ہو لہو ہو کر — چھپے ہو آنکھ کے پردو مین پاس آبرو ہو کر

بہر حال آپ تو صاحب روکمنی کے دل مین رہتے ہو
پھر اس سے فائدہ ؟ کیون چھپ کے اس دل مین رہتے ہو

نگہبان زمانہ رنگ دنیا دیکھنے والے — نگاہ بھر سے غم دوسرون کا دیکھنے والے
کہان ہین حالت درد جنون زار دیکھنے والے — ادھر بھی اک نظر سارا زمانہ دیکھنے والے

بحال زار ہے روکمن ذلیل و خوار ہے روکمن
بہت دل سے حریص لذت دیدار ہے روکمن

وفور غم گداز سوز باطن کو سمجھ لینا — بہت ممکن بظاہر غیر ممکن کو سمجھ لینا
مرا اب روز آخر آج کے دن کو سمجھ لینا — فدائے کفش پا تم جان روکمن کو سمجھ لینا

لبون پر آ کے دم اب طالب امداد ہوتا ہے
نکل جائے کہ ٹھہرے کہیے کیا ارشاد ہوتا ہے

گنگا کنارے کی شام

اُف یہ فضائے دریا ٹھنڈی ہوا کے جھونکے   موجونکا چُلبلا پن فطرت کے یہ کرشمے
حدِ نظر تک اپنی پھیلا ہوا ہے پانی   پانی ہین آرہے ہین ہلکورے ہلکے ہلکے
یہ سرخیان شفق کی یہ رنگ رنگ بادل   اودے ۔ ہرے ۔ کبودی ۔ زنگاری ۔ لال پیلے
معلوم ہو رہا ہے پانی ہے اوسجگہ تک   ملتا ہے آسمان خود جھک کر جہان زمین سے
حدِ نگاہ پر ہے اف کس غضب کا منظر   سبز آسمان پیچھے ۔ نیلے درخت آگے
یون ٹوٹی پڑ رہی ہین ایک ایک پر یہ موجین   ملنے کو مضطرب ہین گویا کہین کسی سے
آئینہ ہے کہ پانی اللہ ری دلفریبی   ایک آسمان اوپر ایک آسمان نیچے ،
اُلجھین تو دلربا ہون سلجھین تو جانفزا ہون   موجین ہین یا کہ بل ہین گیسوے پرشکن کے
پانی کے دایرون سے موجون کا آکے ملنا   دونون کا ملکے چلنا ایک آگے ایک پیچھے
یہ نشہ خیز موسم یہ دلربا خموشی   یہ جانفزا نظارہ ۔ گنگا مین تیرے صدقے

مسرور کر رہی ہے گو ہم کو سیر دریا
لیکن قلق ہے دل کو اے کاش تم بھی ہوتے

"حسرت"

باغ مین دیکھہ کے اکثر گل تر رنگا رنگ — دل پژمردہ مین میرے بھی یہ آتی ہی اُمنگ
کاش ان پھولون مین اک پھول مجھے ملجاتا — نذر ہوتی میری جان صدقے مرا دل جاتا
مگر آتا ہے پھر اپنے گل سادہ کا خیال — گل رنگین سے نہو جاے مرا گل پامال
حسن صورت نہ سہی سیرت معقول تو ہی — رنگ خوشرنگ نہین پھول مرا پھول تو ہی

مریضہ

کہتے ہین بیمار مجھ کو میرے سارے چارہ گر — کچھ حقیقت کی نہین لیکن اُنھین اصلا خبر
ڈاکٹر کو فیس سے مطلب مرض سے کام کیا — مجھ کو حیرت ہی کہ ہے میرے مرض کا نام کیا
نیک نیت ہین احبا اُنکا شکوہ کیا کرون — کیا کہون حال دل اظہار تمنا کیا کرون
سعی لاحاصل ہے بیمار محبت کا علاج — اسقدر آسان نہین ہے درد الفت کا علاج
کاش ہون اس راز سے واقف مرے تیماردار — میرے درد دل کا درمان ہی فقط دیدار یار

"گلِ پژمردہ کی خود داری"

سیرِ گلشن کو گیا کل جو مین ہنگام سحر
پھول کمھلائے ہوئے خاک پہ کچھ آئے نظر

زیرِ لب مین نے تاسف سے کہا اے پھولو
اپنی مٹی تو نہ یون خاک پہ برباد کرو

تم اگر دامن گلچین کے بھی مہمان ہوتے
زینتِ دست و گریبانِ [illegible]ن ہوتے

مین نے حسرت کی نگاہون سے جو انکو دیکھا
انھین پھولون سے اک پھو[illegible] یہ کہا

ہم کو یون خاک مین ملجانے سے کچھ عار نہین
ہان قلق یہ ہو کہ ہم طرۂ دستار نہین

عظمتِ توبہ

فنا کر دیتی ہین جب لغزشین راحت مرے دل کی
اُتر آتی ہو جب اشکون مین صورت قلبِ بسمل کی

نظر کرتا ہون مین منھ ڈالکر اپنے گریبان مین
گھر آیا ہون اپنے دل کو تاریکی عصیان مین

مرا دامان عصیان بڑھ کے مجھکو گھیر لیتا ہو
مرا ہی نفس اعلی مجھ سے خود منھ پھیر لیتا ہے

نماز و سجدہ مین ہوتی ہی محسوس ایک دشواری　　جبین بندگی پہ ہنستی ہی میری ریاکاری

پنھا دیتا ہے حداد تخیل بیڑیان مجھکو　　خود اپنے آپ پر ہوتا ہے زندان کا گمان مجھکو

سناتا ہی مجھے حکم سزا میرا ضمیر اکثر　　الجھ پڑتا ہی روح پاک سی خاکی خمیر اکثر

جب اس انداز بے تابی سے دل مایوس ہوتا ہی　　تو ہلکا سا تموّج قلب کو محسوس ہوتا ہی

عناصر ہنستے ہین دنیا کی وسعت مسکراتی ہی　　بدن کے ہر بن مو سے یہی آواز آتی ہی

خود اپنے ہاتھ سے اپنا ہی دل پامال کر لے تو　　یہی بہتر ہے اپنے جرم سے اقبال کر لے تو

اسی عالم مین کرتا ہون بلند آواز مین دل سے　　جو عرش افروز ہوتی ہی گذر کر ہفت منزل سے

یہ کہتا ہون کہ اے حلّال مشکل سخت مشکل ہے　　مین اک معذور ہستی روح تیری ہے ترا دل ہے

ابھی تک نفس سفلی جوہر اعلے پہ غالب ہی　　بس اب دست تمنا دامن رحمت کا طالب ہے

یہ کہتے ہی مرے دل کو سکون معلوم ہوتا ہے　　سنبھلتا کچھ مرا حال زبون معلوم ہوتا ہے

جب استغراق توبہ سے فراغت دل کو ہوتی ہے　　ہر اک مشکل مری ایوان آسانی مین سوتی ہی

دوبارہ قلب مضطر پھر نشاط انگیز ہوتا ہے　　مرا پیمانہ دل نور سے لبریز ہوتا ہے

تمام آلایشون سے روح کو مین پاک پاتا ہون　　دل پرنور مین اک عظمت اور اک پاتا ہون

یہی ہے باعث رحمت یہی بنیاد مشکل ہے
ابھی تائب تھا پھر عاصی ہی یہ دشمن ہی یا دل ہے

شاعری

نظم جو مصنف نے بحیثیت میر مشاعرہ کیننگ کالج بورڈنگ ہاؤس
بادشاہ باغ لکھنؤ میں قبل شروع مشاعرہ پڑھی

شاعری کیا ہے اک احساس قوانین وجود — دل کے جذبات کا اظہار بتائید قیود
برہمن ہے دل شاعر بت فطرت معبود — جلوہ پیرائے ازل کا ہے یہاں حسن نمود

جب نظر راز کے پردوں سے گذر جاتی ہے
دل کے آئینہ پہ تصویر اوتر آتی ہے

اسی تصویر کا اک رخ ہے یہ دنیا کی طبیعت — ناظم کون و مکان ہی یہ ہے اسکی تعریف
ہے زبان اسکے اوکریشکو اک جزو ضعیف — منبر بارگہ خاص ہے یہ فن شریف

پردہ اسرار مجازی کا اُٹھانے والا
آئینہ روئے حقیقت کو دکھانے والا

دل ہے شاعر کا کہ اک منزل انوار جمال — اور جولانگہ دل وسعت میدان خیال
نغمہ زن ہوتا ہے جب مست سخن صبح ضا قال — بزم فطرت میں ہر ایک چیز کو آجاتا ہے حال

کوہ جھکجھلتے ہیں اشعار کی موسیقی سے

پچ جشنِ رک جاتے ہین اشعار کی موسیقی سے

نورِ شمع دل و جان دائرہ شعر مین ہے
وسعتِ کون و مکان دائرہ شعر مین ہے

جلوہ برق طپان دائرہ شعر مین ہے
الغرض سارا جہان دائرہ شعر مین ہے

جس بلندی پہ فرشتون کے بھی پر جلتے ہین
سچے شاعر اُسے ٹھکراتے ہوے چلتے ہین

کہین ہو جائے ادا دل کا جو پورا مفہوم
فرش تو فرش ہے ہو عرش پہ بھی شعر کی دھوم

غمِ خلوت ہو زمانے سے سراسر معدوم
کیا کہون آپ ہے خود آپ ہین دانائے علوم

دل مین چھپ جاتے ہین جو تیر سے اشعار وہ ہین
قلب برماتے ہین تاثیر سے۔ اشعار وہ ہین

پیاری اردو تری محفل مین سخنور کم ہین
سنگریزے تو بہت ملتے ہین جوہر کم ہین

چوٹ لگ جائے جن اشعار سے دل پر کم ہین
جنہین پنہان ہون خیالات کے دفتر کم ہین

میر سمجھا تھا فقط معنی اسرارِ سخن
ختم غالب پہ ہوئی گرمی بازارِ سخن

اللہ اللہ ری وسعتِ دامانِ غزل
بلبل و گل ہی پہ موقوف نہین شانِ غزل

ختم ہو جائے دو عالم پہ ہے پایانِ غزل
پوچھیے حافظِ شیراز سے امکانِ غزل

ضبط ہے آئینہ راز حقیقت اسمین
یہ وہ کوزہ ہے کہ دریا کی ہے وسعت اسمین

آپ جس میکدۂ علم کے ہین بادہ پرست   مدتون مین بھی رہا ہون اسی مے سے سرمست
اپنے ساقی سے ہے لیکن یہ شکایت سرمست   چند ہی روز مین کی محفل احباب شکست

چلدیے چھوڑکے دریا کو سفینے والے
منتشر ہوگئے سب ساتھ کے پینے والے

شعرا جنسے بڑھی عزت و شان اردو   جنکے قدمونسے ہے آباد جہان اردو
نغمۂ شعر سے مسرور ہے جان اردو   ہے اس احسان سے گرانبار زبان اردو

محفلین شعر کی بنجاتی ہے ایوان ادب
ہوتا آیا ہے مہیا یونہی سامان ادب

مجلس شعر کہان اور مین ناچیز کہان   آپ کی ذرہ نوازی کا ہے شکر احسان
قابل عفو ہے یہ سمع خراشی بھی یہان   خدمت اہل کرم فرض سمجھتا ہی رہا ہون

شکریہ آپ کی اس لطف کی مہمانی کا
شکریہ آپ کی اس دعوت روحانی کا

"مدتوں جسکا انتظار رہا"

مدتوں جس کا انتظار رہا
مدتوں جسپہ دل نثار رہا

خاک پا جسکی میری مایۂ جان
جسکا دیدار زیست کا سامان

جسکا وصل اپنی روح کی معراج
جسکا دیدار درد دل کا علاج

جس سے ملنا تھا اس لئے منظور
آرزوں سے تھا یہ دل معمور

جس کی فرقت تھی موجب غم جان
جس سے دوری تھی باعث خفقان

جس کے غم مین یہ حال رہتا تھا
ہر گھڑی یہ خیال رہتا تھا

کاش وہ حور سامنے آتا،
جان و دل سے فدا مین ہو جاتا

شکوہ ہاے ستم سناتا مین
داغہاے جگر دکھاتا مین

دیکھیے اتفاق یا تقدیر
آگیا ایکدن وہ بدر منیر

بے حجابانہ بے نقاب آیا
رشک مہتاب آفتاب آیا

ہوگیا اسقدر مین محو جمال
کہہ سکا کچھ نہ اپنے دل کا حال

پڑگیا کچھ عجیب مشکل مین
دل کے ارمان رہ گئے دل مین

درد سا دل کو کچھ ہوا محسوس — طاقت نطق ہو گی مایوس
رہ کے کچھ دیر وہ چلا بھی گیا — ٹکٹکی باندھے چپ کا چپ میں رہا
دل سودا زدہ کا حال یہ ہے — شدت گرمی خیال یہ ہے
اب بھی وہ حور یاد آتا ہے — بقعہ نور یاد آتا ہے

دل مجبور یاد آتا ہے
منظر طور یاد آتا ہے

"جو دیا ہے درد تم نے تو [illegible]ن مجھے دوا دو"

روش ادا سلامت وہی شان پھر دکھا دو — کہیں منتوں سے روکوں تو پلٹ کے مسکرا دو
یہ خموش مسکراہٹ تو بہار آرزو ہے — مرے دل کا کیا ہو عالم جو لب سخن ہلا دو
مرا مدعا یہی ہے مجھے کاش آملو تم — مگر اسطرح کہ پردہ جو ہے درمیاں اٹھا دو
یہ مزہ وصال کا ہے نہ ہوا تیاز باقی — یہ نہیں ہے میرا ارماں کہ لبوں سے لب ملا دو
یہ دل خزاں رسیدہ جسے دیکھتے ہو ویراں — ابھی گلشن جناں ہو جو ذرا سا مسکرا دو
تپ عشق کے مریضوں کو نہ دوسروں پہ چھوڑو — جو دوا نہ دے سکو تم انھیں زہر ہی پلا دو

ہوس فنا ہے ہم کو مگر اسمین شرط یہ ہے　　نہ ہو محض نقش ہستی اگر اسطرح مٹادو
مجھے یہ سبق سکھائی ہو تمھاری کج ادائی　　مین جفا کا وعدہ سمجھون جو تسلّی وفا دو

ہوئے درد دل کا باعث تو نظارہ بھی دکھانا
جو دیا ہے درد تم نے تو تمھین مجھے دوا دو

دو آئینے

یعنی ایک ہندو بیوہ سے پیام شادی اور بیوہ کا جواب

"پیام"

حال دل وہ ہے کہ کہنا جسے آسان نہین　　اور خاموش بھی رہنے کا اب امکان نہین
بات وہ کہنی ہے کہتے جسے شرم آتی ہے　　گفتگو آکے مرے لب پہ پلٹ جاتی ہے
حال دل لکھنے کی ہمت نہین پڑتی ہے مگر　　اب چھپانے سے تو چھپتا بھی نہین درد جگر

اس لیۓ اب تمھین لکھتا ہون یہ خط اپیاری   کہ نہ واقف ہو مرے حال سے دنیا ساری
دیکھنا اور کسی پر نہ ہو ظاہر یہ حال   صاف لکھ بھیجنا تم خط مین مجھے اپنا خیال
پوچھ لو دل سے جو مانو نہ ہمارا کہنا   ہے کٹھن بات جوانی مین اکیلے رہنا
چشم بد دور تمھارا ابھی سن ہی کیا ہے   ابھی کیا لطف اٹھاۓ ابھی کیا دیکھا ہے
جذبہ دل کا خمار آنکھونمین جب پاؤگی تم   آئینہ دیکھوگی اور آپ ہی شرماؤگی تم
زندگی کیا ہے فقط وقت کا اچھا کٹنا   اور تمہید اجل روح کی راحت گھٹنا
سکہ حسن بنا یا گیا چلنے کیلئے   نہ کہ یون آتش فرقت مین پگھلنے کیلئے
شمع بیکار ہے جب اُس سے اجالا نہ ہوا   حسن کس کام کا گر دیکھنے والا نہ ہوا
روح قالب سے پس مرگ جدا ہوتی ہے   کسکو معلوم کہان جاتی ہے کیا ہوتی ہے
جان بھی دیدین اگر رنج اُٹھانے والے   پھر پلٹ کر بھی نہین دیکھتے جانے والے
درد ایذاۓ ستم کاوش غم کی حد ہے   آخر امکان وفا۔ ضبطِ الم کی حد ہے

ایک دو رُخ نئی ہر روز دکھانیکے لئے
موسم آئینگے جلے دل کو جلانیکے لئے

گرم گرمی کی ہوا ایسی کہ دل مرجھائین ذکر پھولونکا نہین نین کمل کمھلائین
دوپہر کی وہ اداسی وہ پہاڑ ایسے دن کاٹے کٹ جائین اکیلے یہ بھلا کب ممکن
دن اگر کٹ بھی گیا رات کٹیگی کیونکر جسکی ایک ایک گھڑی طول مین روزِ محشر
کبھی سنکیگی ہوا صبح کو ایسی پیاری دور کر دیگی طبیعت کی اداسی ساری
کھلکھلا کر اسی موسم مین ہنسینگے کبھی پھول جس سے ہو جائیگا دکھتا ہوا دل اور ملول
پھول بیلے کے کھلانیکے لئے آئیگی چاندنی تمکو لبھانیکے لئے آئیگی

ساتھ لاتی ہے بہار و نکے جھمیلے برکھا
کیسے کاٹوگی مری جان اکیلے برکھا

کبھی آئینگی گھٹاؤن پہ گھٹائین کالی سر پہ لائیگی بلاؤن پہ بلائین کالی
دل دھڑک جائیگا بادل کے کڑک جانیسے جی دہل جائیگا کوندے کے لپک جانے سے
جھونکے اٹھلاتے ہوا کے جو کبھی آئینگے تیر کی طرح کلیجے مین اتر جائینگے
آکے برسینگی جو گھنگھور گھٹائین بن مین تیر بن بن کے ہر اک بوند لگیگی تن مین
گھاؤ پہ گھاؤ لگائینگے پپیہے اکثر پھول سے گال پہ منڈلائینگے بھونرے اکثر

پھول ہر رنگ کے کھلجائینگے اس موسم مین		بھونرے پھولونپہ نظر آئینگے اس موسم مین
پیار چڑیان کہین پھولونکو کرینگی آکر		جوڑے ہنسونکے کبھی گھومتے آئینگے نظر
کہین کویل۔ کہین سارس۔ کہین ہنسونکی قطار		ہر طرف تمکو نظر آئیگا سامانِ بہار

کسی صورت سے جو برسات کا موسم گذرا
رنج کچھ اور بڑھادیگا گلابی جاڑا

یہ وہ رت ہے کہ نہ سردی ہے نہ گرمی ایسمین		کسی کمسن کی طبیعت کی ہے نرمی ایسمین
چاندنی یون تو ہمہ وقت ہے فردوس نظر		اور ہی بات ہے کچھ رات کی اس رت مین مگر
چاندنی رات ہے یا بچھڑے ہوؤنکی دشمن		آگ کا شعلہ ہے یا چاند کی ہلکی سی کرن
دشمن صبر ہین یا ٹھنڈے ہوا کے جھونکے		رہزنِ صبر ہین یا ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
اب نہین پھول چمن مین کہ کبھی وقت خرام		تازگی روح کو ہو اور دلونکو آرام
آگیا وقت تو بت جھاڑ ہوا سیر دن کا		سیر مین اب نہین گلزار کے اگلا سا مزا
مارے سردی کے قدم بھر بھی ہو چلنا مشکل		ہے وہ جاڑا کہ کپا جاتا ہے سینہ مین دل
سوزش ہجر سے عشاق کے دل مین ہین داغ		صورت خانہ دل دیکھئے ویران ہین باغ

دل کو برمائیگی جب باغ مین کویل کی صدا — کچھ خبر ہے تمھین کیا حال تمھارا ہوگا
چاندنی تمکو دکھائیگی نکھر کر جوبن — جنت روح نظر آئیگا ہر صحن چمن
بھولکر تم جو یہان لوگی بسنتی ساری — دیکھنے آئینگی ہمجولیان باری باری
دلشکن ہوگا تمھین دیکھکے انکا کہنا — دیکھو دیکھو سکھی پھولونکا ہمارا گہنا
مین پہنتی نہ تھی لیکن نہ انھون نے مانا — اور اب سکھیو مین پڑتا ہے مجھے شرمانا
ہولی گاتے ہوئی سن لوگی کسی کو جو کبھی — ٹیس وہ ہوگی جگر مین کہ الٹ جائیگا جی
حالتین کہتی ہین یہ سوختہ سامانون کی — دشمن انسان کی ہین کمزوریان انسانونکی
کچھ برا ماننے کی بات مری جان نہین — عمر عصمت سے گذر جائے یہ آسان نہین
ایک شیشہ ہے مگر دیکھئے کس شان کا ہے — کوئی پتھر تو نہین دل ہی تو انسان کا ہے
زندگی وہ ہے جو ہنس کھیل کے خوش ہو کے کٹی — کیا کٹی عمر اگر غم مین کٹی رو کے کٹی
عمر بھر خوگر غم گو دل ناشاد رہے — ہوگی رونے سے تسلی نہ مگر یاد رہے
اس مین کچھ میری خطا کچھ مری تقصیر نہین — دل سے مجبور ہوا لائق تعزیر نہین
جب ہوا کرتی ہے یون چاہ ہوا کرتی ہے — قلب سے قلب کو اک راہ ہوا کرتی ہے

دمبدم سوچ رہا ہون یہ کیا کیا مین نے　　کیا خبر کیا مجھے لکھنا تھا لکھا کیا مین نے
خدمت حسن کرے عشق کی عظمت یہ ہے　　آرزو یہ ہے۔عقیدت یہی حسرت یہ ہے
نقد دل نذر کرون فکر یہ ہیجان یہ ہے
حوصلہ یہ ہے۔تمنا یہ ہے۔ارمان یہ ہے

جواب

ایک مہجور کی تسلیم ادب ہو جو قبول　　نذر مین پیش کرون پاک خیالات کے پھول
آپنے خط تو بہت خوب لکھا ہے لیکن　　سخت افسوس کہ اقرار نہین ہے ممکن
جب تک آپ اسکو چھپائینگے چھپیگا یہ حال　　مجھکو آیا تھا۔نہ آئیگا۔کبھی پھر یہ خیال
زیب دیتا نہین القاب مجھے "پیاری" کا　　یون دکھا و نہ دکھا دل کسی دکھیاری کا
"جان" کہنا کسی بیگانے کو دستور نہین　　یہ کرم ایسی عنایت مجھے منظور نہین
دل نہین ٹوٹے ہوئے دل سے لگانے قابل　　مین سنیہ تخت نہین پیار جتانے قابل

میری قسمت مین اگر عیش کا سامان ہوتا　　کیون گلستان مری نظرون مین بیابان ہوتا
چھوڑ جاتے نہ مجھے تنہا نہ محبت والے　　زندگی کے مجھے اسطرح نہ پڑتے لالے
رات دن مجکو نہ اسطرح رولاتے سوامی　　اسطرح دکھ مین نہ مجھے چھوڑ نہ جاتے سوامی
اس سے معلوم ہوا غم مری تقدیر مین ہے　　دل ناکام کا ماتم مری تقدیر مین ہے
یہی بہتر ہے کہ اب آپ محبت نہ کرین　　میری پھوٹی ہوئی تقدیر مین شرکت نہ کرین
ملکے مجھ جیسی سیہ بخت سے کیا ہوگا حصول　　ایک افسردہ بنا دیتا ہے محفل کو ملول
ساتھ سوامی کے مرے دل کی ترنگین بھی گئین　　میرے ارمان گئے میری امنگین بھی گئین
زندگی خاک ہوئی قابل زینت نہ رہی　　صورت آئینہ مین دیکھون مین وہ صورت نہ رہی
ساتھ سیندور کے سوامی کی چتا پر رکھکر　　پھونکدی مین نے جوانی بھی چتا پر رکھکر

آپ کہتے ہین کہ موسم مجھے تڑپائینگے
مین سمجھتی ہون کہ پیغام وفا لائینگے

جب کبھی آئینگے گرمی مین ہوا کے جھونکے　　یہ سبق مجھکو سکھائینگے ہوا کے جھونکے
یون ہی ہر رنج کا انجام جو راحت ہوگی　　جلد ہی ختم یہ میری بھی مصیبت ہوگی

غنچے ہنستے ہوے یہ کہکے مجھے دینگے مدد　　صبر تلخ است ولیکن بر شیرین دارد

اسی صورت سے گذر جائیگی گرمی ساری

کاٹ ہی دیگی کسی شکل سے دن دکھیاری

آسمان پر جو گھٹا آئیگی کالی کالی　　مین کہونگی کہ ہے دکھ درد بٹانے والی
ساتھ باندھیگی مرے انسوؤن کا تار گھٹا　　میری مونس، مری ہمدم، مری غمخوار گھٹا
بجلی تڑپیگی تو سمجھونگی مرا دل تڑپا　　آسمان پر بھی کوئی مد مقابل تڑپا
کبھی بادل جو برستے ہوے آئینگے نظر　　مین یہ سمجھونگی کہ روتے ہین مری حالت پر
کیا سنائینگے پپیہے مجھے بانی اپنی　　میرا ہی دکھ تو کہینگے وہ زبانی اپنی
”پی کہان“ جب کبھی سنئیے کہ سخن انکا ہے　　یہ سمجھیے کہ زبان میری دہن انکا ہے

اسی عالم مین گذر جائیگا بارش کا سمان

اور ہو جائیگا جاڑے کا بھی کٹنا آسان

پھول کھلتے ہوے دیکھونگی چنبیلی کے اگر　　یہ سبق ہوگا کہ دنیا کی ہے حالت ابتر
کل جو غنچہ تھا وہی آج گل تر ہوگا　　اور اسی پھول کا کل خاک پہ بستر ہوگا

بھونرے آئینگے مرا رنج بٹانے کے لئے　　حال نا اہل کی الفت کا سنانے لے لئے

عشق کا کرتے ہین کمظرف جو اکثر اظہار　　چار دن بھی نہین ایسونکی محبت کو قرار

چاندنی رات مرے دل کو دکھائیگی کیا　　مین نے خود چاند کی حالت سے سبق یہ سیکھا

مہ کامل بھی ہوا ابدرسے گھٹ گھٹ کے ہلال　　پھر عجب کیا جو ہوا ہے مری حالت کو زوال

جھونکے باد سحری کے مجھے تبلائینگے　　جنسے ہم آج ملے کل نہ انہین پائینگے

باغ مین پھول نہین دل مین امنگین کیسی　　ایسے پت جھاڑ کے موسم مین ترنگین کیسی

کوک کویل کی سنونگی تو یہ سمجھونگی ضرور　　کہ جدائی سے ہے ہمجنس کے اپنے مجبور

صاحب درد کو پیغام رسان ہے یہ پرند　　صدمہ ہجر سے سرگرم فغان سے یہ پرند

جب پرندون مین ہے الفت کا بہم یہ دستور　　حیف ہے گر نہ ہوا انسان مین محبت کا شعور

سرسون پھولی ہوئی آئیگی جو کھیتو نمین نظر　　زرد ہو جاونگی مین رنج و حیا سے یکسر

شرم آئیگی کہ جھوٹی ہے محبت میری　　رنج یہ ہوگا کہ کیون زرد نہین مین ایسی

آپ کی عقل ہے آئین وفا سے عاری
کہین بیوہ بھی پہنتی ہے بسنتی ساری

مبتلائے غم الفت کی جو یون لی ہے خبر ہوا دا شکر عنایت کا زبان سے کیونکر
غم کی تاثیر کو لیکن نہ سمجھیئے گا حقیر بلکہ انسان کو نبا دیتی ہے غم کی تاثیر
اہل دانش غم و شادی کو بہم جانتے ہین آپ کیا رنج کی توقیر کو کم جانتے ہین
غم ہے جو روح کی عظمت کا پتہ دیتا ہے اور انسان کو انسان بنا دیتا ہے
اب نظر مجھکو نہین آتے ہین سوا من سہی سطح پر اب نہین پڑتی ہین نگاہین میری
جس کسی سمت نظر اب میری اٹھ جاتی ہے اسی محبوب کی تصویر نظر آتی ہے
اب پپیہے کے ترانون مین صدا انکی ہے اور بھونرون کی بھی تانون مین صدا انکی ہے
پیار کرتے ہین مجھے مجھکو لبھاتے بھی ہین گدگداتے ہین مجھے مجھکو ہنساتے بھی ہین
خواب مین مجھکو کلیجے سے لگانے کیلئے روز آتے ہین مرا رنج بٹانے کیلئے
گرچہ سایل یہ ہے دنیا مین کرم کا بھوکا پھر بھی اس خط کو سمجھتی ہون مین اک فکر فضول

آگے اب کیا لکھون خود آپ ہین ذی فہم و شعور

اعتقادات سے مجبور رہون دل سے معذور

دیوانے

ہائے کیا چیز ہے دنیا مین یہ دیوانے بھی
ایک ہی وقت مین ہین شمع بھی پروانے بھی

نطق و تقریر و فغان انکی خموشی پہ نثار
خامشی صدقے ہے اللہ ری طرز گفتار

کاوش اصل و حقیقت سے کئی منزل دور
ابھی مغموم نظر آتے تھے اب ہین مسرور

نیک و بد کا کوئی احساس نہین ہے انکو
اپنے بیگانے کا کچھ پاس نہین ہے انکو

منطق و عقل و خرد انکو ہین الفاظ فضول
مختصر یہ کہ کسی بات کو دیتے نہین طول

اضطراب غم و آلام نہین ہے انکو
سفلہ دنیا سے کوئی کام نہین ہے انکو

نقل و تقلید کے پابند کسی طور نہین
انکی دنیا مین فقط یہ ہین کوئی اور نہین

ذاتیات انکے لیے باعث تکلیف نہین
واقعات انکے لیے موجب توصیف نہین

انکو کچھ ربط کسی سے ہے نہ ہے الجھن کوئی
نہ کوئی دوست ہے انکا نہ ہے دشمن کوئی

حق و باطل کا تعین انھین منظور نہین
اک سوا انکے کوئی خلق مین مسرور نہین

خاص اک بات ہو دلچسپ تو کچھ ہو تعریف　　ہر ادا اُنکی پسندیدہ ہے ہر فکر لطیف

قدر کرتا ہون مین ان سوختہ سامانونکی　　چاک دامانونکی ان چاک گریبانون کی

کاش بتلائے کوئی قدرت امکانِ خیال　　کونسی رسم کے پابند ہین اُنکے اعمال

اے کہ ہے تیرا کرم فہم و خرد سے بالا　　ہر گنہگار کی بگڑی کو بنانیوالا

عقل انسان کی مجبور ہے مختار نہین　　تیرے اسرار خدائی سے سروکار نہین

ہمپہ جو رنج پڑیگا ہمین سہنا ہوگا　　ہم کو جس حال مین رکھے ہمین رہنا ہوگا

پھر بھی خواہش ہے کہ دیکھین یہ تماشا کیا ہے　　کیا ہے نیرنگ جنون عالم سودا کیا ہے

ہوگی کس درجہ دلاویز وہ دنیائے خیال　　درجہ حیرت مین ہمین جسکے نقوش پامال

حل کسی طور سے یہ عقدۂ مشکل ہو جائے　　کاش اس راز پہ قدرت ہمین حاصل ہو جائے

کیا عجب ہے کہ یہ دیوانے تو فرزانے ہون
خود کو فرزانہ جو سمجھے ہین وہ دیوانے ہون

"غبارہ"

زمین سے جانب بام فلک رواں ہے تو — مسافر رہِ بے جادہ و نشان ہے تو
ہوا یہ اک فرسِ شعلہ جست کرکے چلا — کہ کوئی طائر زرّین اوڑان بھر کے چلا
بلندیوں کی طرف مثل برق طور چلا — کمال شوق سے دامن میں بھر کے نور چلا
حسین پری کوئی مست مئے صبوح چلی — نکلکے قالب خاکی سے جیسے روح چلی
تپ زدوں سے غبار سراب دشت ہے تو — فضائے چرخ پر آوازِ بازگشت ہے تو
پڑا ہے یا کسی میکش کا صبر زاہدانہ — الٹ گیا ہے مئے آتشیں کا پیمانہ
فلک کا اہل زمیں کو پیام ہے کوئی — کہ دست ساقیِ کوثر میں جام ہے کوئی
یہ کوئی آگ کا اڑتا ہوا شرارہ ہے — کہ آسمان کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہے
ڈھلک کے دیدۂ سالک سے کوئی اشک نیاز — چلا ہے ہو لے کو دامان عفو پر ممتاز
قدم قدم پہ سنبھلتا ہے ڈگمگاتا ہے — قدم قدم پہ مچلتا ہے لوٹا جاتا ہے

فنا کے دوش پہ کچھ اسطرح سوار ہے تو   کہ بیکسون کا چراغ سر مزار ہے تو

نظر فروز تعلق بہار ہے تیری

حریف۔ زندگی مستعار ہے تیری

خبر بھی ہے تجھے انجام تیرا کیا ہو گا   مواد زیست ترا باعثِ فنا ہو گا

قدم بڑہاے ہوے ہان قدم بڑہاے ہوئے   گدازِ نفس سے دامن مگر بچاے ہوے

روان تو ہے سوے منزل مگر یہ ڈر ہے مجھے

مری طرح کہین جلنے سے پہلے جل نہ بجھے

شکتی بان

میدان جنگ لنکا آفت کا سامنا ہے   کل فوج مین وفور رنج و غم و بکا ہے

زانو پر رام جی کے لچھمن نے سر رکھا ہے   دشمن کو بھی رولا دے۔ یہ حال رام کا ہے

بیٹھے ہوے ہین بیکل اور ہاتھ مل رہے ہین

نظرین جھکی ہوئی ہین آنسو نکل رہے ہین

لشکر پہ ہے تباہی وحشت برس رہی ہے — ہے ہر طرف اُداسی شامت برس رہی ہے
پہن وغا ہین گویا کلفت برس رہی ہے — چہرہ سے رام جی کے حسرت برس رہی ہے

حد سے فزون ہوا جب اندیشۂ جُدائی
دل سے نکلکے تب یہ فریاد لب پر آئی

لچھمن خلاف عادت خاموش کیون ہوے تُم — لب پر نہین تمھارے اگلا سا وہ تبسُّم
کیون روٹھتے ہو بھائی مجھ پر کرو ترحُّم — مختل ہے عقل میری میرے حواس ہین گم

تعمیل حکم مین کیون تاخیر کر رہے ہو
تعظیم کرنیوالے تحقیر کر رہے ہو

مال ومتاع عالم پھر ہوسکیگا حاصل — تحصیل جاہ وحشمت کچھ بھی نہین ہے مشکل
امکان آرزو ہے تفریق حق وباطل — بے صبر ہو رہا ہے اب اس خیال سے دل

فتح وظفر ملینگے امن وامان ملینگے
سب کچھ ملیگا۔ لیکن لچھمن کہان ملینگے

بستی سے ساتھ آئے جسطرح سوے صحرا — ساتھی بنونگا یونہی ہستی سے مین عدم کا
جنگ وجدال ناحق بے سود فکر دُنیا — دشمن کو ہو مبارک مین فتح کیا کرونگا

بھائی اگر نہین ہین۔ دشوار زندگی ہے
بے لطف زندگی ہے۔ بیکار زندگی ہے

ملک اودھ کو تنہا جب پھر کے جاؤنگا مین — اہل وطن کو اپنے کیا منہ دکھاؤنگا مین
کیا بات ستر ہن سے آخر بتاؤنگا مین — پوچھینگے لوگ مجھ سے جب کیا بتاؤنگا مین

لچھمن پہ چشم رحمت اے جسم و جان کے مالک
سود و زیان کے مالک امن و امان کے مالک

کیا حسرتین بٹی ہین کیا خون ہوئے ہین ارمان — یہ زندگی ہے میری یا درد و غم کا طوفان
اک جان زار اپنی غم کے ہزار سامان — آوارگی یتیمی غربت۔ فراق جانان

لچھمن تمھارے دم سے تھے لطف زندگی کے
تم ساتھ چھوڑتے ہو۔ ہم کیا کرینگے جی کے

ہرگز نہ مین اکیلا سوے اودھ پھرونگا — اہل وطن کے طعنے ہرگز نہین سہونگا
یا اپنی زندگی مین جنگل ہین کاٹ دونگا — یا دشمنون سے لڑکر مین خود بھی مر مٹونگا

بدنامیان اوٹھاے دنیا مین کون رہکر
یہ فیصلہ ہے دلکا ذلت سے موت بہتر

دنیا مین ہم پیالہ۔ اور ہمسفر بہت ہین — جو پاے مال و دولت مشتاق رہتے ہین

الفت تو از ظاہر خواہان شہ بہت ہین — المختصر شریک فتح و ظفر بہت ہین،
لیکن شریک کلفت تکلیف دوستا ئین
عنقا سے بھی زیادہ کمیاب ہین جہا ئین

اے الفت مجسم اے نازش عزیزان — اے پیکر سعادت تصویر حسن امکان
تسکین قلب مضطر ربط دل پریشان — آنکھین اوٹھا کے دیکھو ہو کون تم سی رسیان
آب حیات بخشو۔ کچھ تو کہو زبان سے
کسواسطے خفا ہو رام شکستہ جان سے

مان باپ سے چھٹے تم منھ بھائیون سے موڑا — جنگل کی راہ پکڑی اپنے وطن کو چھوڑا
خاطر سے جسکی تم نے اپنون سے رشتہ توڑا — دل کر رہے ہو چھلنی کیون آج اسکا تھوڑا
مجھکو بھی ساتھ لے لو گر خواہش سفر ہے
تنہا یہان نہ چھوڑو۔ یہ دشمنون کا گھر ہے

تلسی داس

یہ عقیدہ ہندو نکا ہے نہایت ہی قدیم — جب کبھی مذہب کی حالت ہوتی ہے زار و سقیم

قادر مطلق جو ہے دانائے اسرار و کریم، بھیجتا ہے رہنمائی کے لیے اپنا ندیم

رہبران راہ حق جب رہبری فرماتے ہین
بھولے بھٹکے سب مسافر راہ پر آجاتے ہین

اک زمانہ تھا کہ غارت ہو رہے تھے اہل ہند اپنا مذہب اپنے ہاتھون کھو رہے تھے اہل ہند
اک عجب خواب گران مین سو رہے تھے اہل ہند اپنے ہی اعمال کو خود رو رہے تھے اہل ہند

غرق ہونے پر تھا جب بیڑا ہماری قوم کا
گوشۂ عزلت مین تلسی ناخدا پیدا ہوا

اپنی نادانی کہین یا اپنی قسمت کا قصور ویدکے زرین عقاید سے ہوئے جاتے تھے دور
اپنے مذہب کے مسایل سے طبیعت تھی نفور رہتے تھے ذکر بتان سیمتن کی دھن مین چور

تھا یہانتک ہم پہ جور گردش چرخ بلند
موتیون کے بدلے کنکر ہم کو آتے تھے پسند

تھے پُران و وید و گیتا کے مسائل جسقدر سلک رامائن مین رکھا تو نے سبکو گوندھکر
جو خزانے تھے پرانے اُن سے تھے ہم بیخبر انکھین تھین لیکن نہ عظمت اپنی آتی تھی نظر

ہو سکے اے ملک کے محسن تری تعریف کیا
تو نے اک کوزے کے اندر بند دریا کر دیا

اک طرف ہنگام شام از بس تھکا ماندہ کسان   دن کی محنت سے فراغت کرکے آیا ہے مکان
جمع کرکے اپنے گھر کے بچے بوڑھے اور جوان   کہہ رہا ہے ہند کی ہندی ہیں ہندوستان

جو سمجھتے ہیں عجب کیا گر انھیں آتا ہے لطف
جو فقط سنتا ہے کچھ اسکو بھی آجاتا ہے لطف

اک طرف عزلت میں ہے نقاد معنی موشگاف   یہ معانی ہیں موافق وہ مطالب ہیں خلاف
اس سے ہوتا ہے کمال شاعری کا انکشاف   اتنے پیچیدہ مطالب اور پھر بھی اتنے صاف

اہل فن کہتے ہیں اسکو بحر ناپیدا کنار
اور عوام الناس کہکر سہل اسے کرتے ہیں پیار

مرحبا اے آئینہ بردار فطرت مرحبا   مرحبا اے کاشف رمز حقیقت مرحبا
مرحبا اے ہمنشین بزم خلوت مرحبا   مرحبا اے دانش آموز طریقت مرحبا

وار روکا ہے تری اس نظم نے تلوار کا
تیرے سر سہرا بندھا ہے دھرم کے اُپکار کا

دل دہل جاتا ہے ہم جسوقت کرتے ہیں خیال   تیری رامائن نہ ہوتی گر تو ہوتا کیسا حال
چند دن گر اور چلتا وہ زمانہ اپنی چال   ہمکو کر دیتی ضعیف الاعتقادی پائمال

رائے یہ میری نہیں فتویٰ ہے ساری قوم کا

تیری رامائن نہین نغمہ ہے ساری قوم کا

خدا خیر کرے

ملک والون کے یہ اطوار خدا خیر کرے
اور یہ قوم برباد بار خدا خیر کرے

ہوتے دو چار ہی قیدی تو تسلّی ہوتی
قوم کی قوم گرفتار خدا خیر کرے

زخم پر زخم لگین دلپہ وفادارون کے
اور ہو فریاد بھی دشوار خدا خیر کرے

حشر مین حشر اگر پرسش اعمال ہوئی
اُسپہ مجھ جیسا گنہگار خدا خیر کرے

پھر غنیمت تھا وہ نہ یان مریضان فراق
سلب ہے طاقت گفتار خدا خیر کرے

ہو چکا خیر جو ابتک وہ غنیمت تھا روان
اب ہے آسان بھی دشوار خدا خیر کرے

ہند مظلوم

حالتین کہتی ہین یہ قوم کے ارمانون کی
قسمتین جاگ اُٹھین سوختہ سامانون کی

تیلیان بدلی نظر آتی ہین دیوانون کی — توڑ ڈالینگے یہ دیوارون کو زندانون کی
چند مظلوم زن و مرد کچھ اُجڑے ہوئے گھر — سرخیان ہین یہ مری قوم کے افسانون کی
لٹ گیا ملک گرفتار ہوی قوم مگر — طاقتین یون بھی کہین مٹتی ہین ایمانون کی
ہندون کی ابھی مالا ہے بدستور وہی — ابھی تسبیح بھی باقی ہے مسلمانون کی
چھینٹین کچھ خون کی دیوارون پہ کچھ کاسۂ سر — یادگارین ابھی محفوظ ہین دیوانون کی
ہند مظلوم ہے فریاد کنان اے مالک — جلد لے جلد خبر اپنے پریشانون کی

یہ عجب جنگ ہے اس دورِ زمانہ مین رواں
اُسطرف توپ اِدھر ڈھال ہے ایمانون کی

غزلیات

بتون کا ذکر کرتے ہین خدا کی یاد کرتے ہین ۔ فرشتے بھی نہین کرتے جو آدم زاد کرتے ہین
اسیر زلف ہون تو سیکڑون فریاد کرتے ہین ۔ مگر یہ دیکھنا ہے وہ کسے آزاد کرتے ہین
ہماری آخری ہچکی پہ وہ ارشاد کرتے ہین ۔ انھین کو ضبط کا دعویٰ ہے جو فریاد کرتے ہین
ترے بیمار غم کا آج شاید وقت نازک ہے ۔ کہ سارے چارہ جو بیٹھے خدا کو یاد کرتے ہین
یہ حالت دیکھنے قابل ہے بیمار محبت کی ۔ کہ اہل درد چپ ہین۔ چارہ گر فریاد کرتے ہین
رہائی طایران بوے گل کی کیا نہین دیکھی ۔ کرین گر فکر میری قید کی صیاد کرتے ہین
کوئی سمجھے ترقی خواہ میرا۔ بعد مرنے کے ۔ میری خاک لحد وہ اس لیے برباد کرتے ہین
ذرا حسن نمک آلود سے کر دے خبر ظالم ۔ مرے زخم جگر وہ لذتین پھر یاد کرتے ہین
نگاہ یار شرمائی ہوئی اور خون بھرا خنجر ۔ شہادت کے ہم اپنی پیش وہ اسناد کرتے ہین
غرض اپنی خوشی سے عیش سے اپنے انھین مطلب ۔ وہ کب پرواے تسکین دل ناشاد کرتے ہین

روان کے نزع کا عالم کسی نے انکو لکھا تھا
جواب آیا کہ بسم اللہ ہم بھی صاد کرتے ہین

غرض رہبر سے کیا مجھکو گلہ ہے جذب کامل سے ۔ کہ جتنا بڑھ رہا ہون ہٹ رہا ہون دور منزل سے
حصول آرزو کی کیا توقع ایسے غافل سے ۔ جو دل مین رہکے بھی واقف نہین بیتابی دل سے
سکوت مجمل تقریر بے موقع کی تہمت کیون ۔ اٹھانا ہو تو یون ہم کو اٹھا دو اپنی محفل سے

دلِ گم گشتہ کے ملنے کی صورت گر یہی ٹھہری — لیے آتے ہین تھوڑی خاک ہم بھی کوے قاتل سے
ادا اسی ہے ہر اک چہرہ پہ ہر پہلو مین سناٹا — خدا جانے کوئی کیا اٹھ گیا ہے اپنی محفل سے
یہ امکان ترقی آج ہے دعوی خدائی کا — اُسی دل کو جو کل تک تھا لہو کی بوند مشکل سے
گل و لالہ پہ آخر کر رہا ہے غور کیا گلچین — وہی خون ہے جو ٹپکا تھا کبھی چشمِ عنادل سے
الٰہی منزل مقصود تک کیونکر مین پہونچونگا — کہ تھک کر بیٹھ جاتا ہون جو اٹھتا بھی ہون مشکل سے
شب مہتاب دریا کا کنارہ اور یہ سناٹا — تمھین اس سازِ پیہم خوش کرینگے نغمۂ دل سے
اطبا کی نگاہین چارہ سازو نسے یہ کہتی ہین — مریضِ غم کو اب کی بار صحت ہوگی مشکل سے
مجھے رسمی تواضع پر یقین مطلق نہین ہوتا — مرا دل اُس پہ صدقے جان قربان جو ملے دل سے

غضب ہے جلکے پروانو نکا اُنکی بزم مین کہنا
روان ہا یون فدا ہو جاؤ یا اُٹھ جاؤ محفل سے

ہے جب تک دم مین دم فریاد سے فرصت کہان مجھکو — مثال نے نفس کے ساتھ ہے حکم فغان مجھکو
کیا ہے رفتہ رفتہ غم نے ایسا ناتوان مجھکو — کہ اب ہے پرسش احباب بھی بار گران مجھکو
کسی بینا کو دکھلا اپنی آنکھین دیکھنے والے — دوا کر ہوش کی اے کہنے والے بے نشان مجھکو
ہاں زندگی ہے کام کرنا کام کرتا ہون — تاسف ہے اگر ہو کاوش سود و زیان مجھکو
مین آوازِ سلاسل ہون مقید رہ نہین سکتا — پرِ پرواز آزادی ہین میری بیڑیان مجھکو

محافظ جان کے دشمن ہین ابنائے وطن غافل
رولاتی ہے لہو یہ حالت ہندوستان مجھکو

مسافر ہون زیادہ اور اس سے کہہ نہین سکتا
کہ آتا ہون کہان سے اور جاتا ہے کہان مجھکو

یہ کس خانہ بر انداز چمن کی آمد آمد ہے
نظر آتا ہے کچھ بیدلا سا رنگ بوستان مجھکو

ستم پر ناز تھا صیاد کو اسکی خبر کیا تھی
کہ دینگی درس آزادی قفس کی تیلیان مجھکو

کجا راحت عدم کی اور کجا ہنگامۂ ہستی
کہان سے کھینچ لائی ہے مری قسمت کہان مجھکو

جلا کرتا ہون لیکن حال دل کچھ کہہ نہین سکتا
خدا نے شمع کے مانند کو دی ہے زبان مجھکو

میرے جذبات کی ندرت ہے غالب حسن لفظی پر
نہین ہے اسلئے کچھ فکر انداز بیان مجھکو

مثال آسیا مین رزق کی کاوش سے ڈرتا ہون
کہ رکھتا ہے مرا رزاق مصروف فغان مجھکو

گذاری اتنی مدت قید مین صیاد کی مین نے
کہ اب ڈھونڈھے نہین ملتا چمن مین آشیان مجھکو

زوال احساس بھی جاتا رہا جب رنج و راحت کا
برابر ہوگئے سب مہربان نامہربان مجھکو

تقدیر جب معاون تدبیر ہوگئی ::
مٹی پہ کی نگاہ تو اکسیر ہوگئی ::

دل جان نثار ہے۔ زبان تاب سخن آ
اس کشمکش مین روح کی تعزیر ہوگئی،

چھینٹین جو خون کی دامن قاتل مین رہ گئین
محشر مین میرے قلب کی تفسیر ہوگئی

یا قتل کیجیئے مجھے یا بخشدیجئے
اب ہو گئی حضور جو تقصیر ہوگئی

شبنم اڑی گلون سے مرا نقشہ کھنچ گیا — مرجھا گئی کلی مری تصویر ہو گئی

زندانیان کاکل ہستی کدھر کو جائین — اک زلف سب کے پانون کی زنجیر ہو گئی

مین کہہ چلا تھا داور محشر سے حال دل — اک سُرمگین نگاہ گلوگیر ہو گئی

بس تھم گیا سفر عمل کہہ کے یا نصیب — جس جا پہ ختم منزل تدبیر ہو گئی

توڑا ہے دم ابھی ابھی بیمار ہجر نے — آئے مگر حضور کو تاخیر ہو گئی

جب اپنے آپ پر ہمین قابو ملا روان
آسان راز دہر کی تفسیر ہو گئی

اسی ہوس مین کہ ہو اُس حسین کے قابل — یہ دل رہا کسی دنیا نہ دین کے قابل

جنون سجدہ زمانے کی خاک چھان چکا — کہین زمین نہ ملی اس جبین کے قابل

یہ کہکے صبح نے کی ختم شمع کی ہستی — یہ داغ خون ہے مری آستین کے قابل

وہ مین کہ دل کے دھڑکنے سے چونک پڑتا ہون — کہان سے لاؤن فغان سامعین کے قابل

اُتار دیتے ہین لاشہ مرا کہان احباب — یہ آسمان نہین اس زمین کے قابل

روان سوائے اجل اس جہان فانی مین
نہین ہے اور کوئی شے یقین کے قابل

کسی تدبیر سے جب جی نہ بہلتے دیکھا — آشیان پھونک کے اپنا اسے بہلتے دیکھا

حسرت انگیز ہے اے شمع لحد تیری حیات　　　جل بجھی جسکے لئے اُسنے نہ جلتے دیکھا

میرے ساقی. تری محفل مین کسے ہوش آئے　　　اور دو گھونٹ دیے جسکو سنبھلتے دیکھا

روشنی رُوح کی موقوف فنائے تن ہے　　　جلنے جب شمع کو دیکھا تو پگھلتے دیکھا

دل کے ذرون مین تھی اس پردہ نشین کی تصویر　　　اس لیے آنکھ سے آنسو نہ نکلتے دیکھا

قابل دید ہین دیوانون کے آپس کے سلوک　　　اُن کو زنجیر سے زنجیر بدلتے دیکھا،

کانٹے کانٹے کا قلق ہے ترے دیوانون کو　　　رکھ لیے دل مین جو تلون سے نکلتے دیکھا

ضبط گریہ سے یہان جان کے لالے ہین رواں
اور وہ شاکی ہین کہ آنسو نہ نکلتے دیکھا

شہید یاس بھی وجہ حصول مدعا بھی ہے　　　یہی دل عاشقی کی ابتدا بھی انتہا بھی ہے

سیہ کاری پرآتا ہے جب انسان کا دل غافل　　　یہ بالکل بھول جاتا ہے کہ کوئی دیکھتا بھی ہے

دیا جاتا ہے اب حکم اسیری بیگناہون کو　　　بھلا کچھ ایسے ظلم ناروا کی انتہا بھی ہے

رواں اب میکدہ سے شہر کے جائینگے کیون باہر
یہان کا نشہ لذت خیز بھی ہے دیرپا بھی ہے

دلون سے دور اگر گرد کدورت ہو نہین سکتی　　　صفائی غیر ممکن ہے محبت ہو نہین سکتی

زیادہ اور اس سے اب اذیت ہو نہین سکتی　　　کہ ہون راحت کدہ مین اور راحت ہو نہین سکتی

عجب اک ننگ ہستی ہین بھی اس حسرتکدہ مین ہا　　　کہ ہو کر آدمی بھی آدمیت ہو نہین سکتی
ریاض دہر مین مانند نے ہی زندگی اپنی　　　کہ جب تک سانس ہے نالون سے فرصت ہو نہین سکتی
دیار عشق مین اُن غافلون کا حشر کیا ہوگا　　　مری حالت سے بھی جنکو نصیحت ہو نہین سکتی
لب ساحل سے یہ دریا کی موجین ہنسکے کہتی ہین　　　کہ رہکر دور ہمجنسون سے راحت ہو نہین سکتی
مجھے کچھ منفعت ہو یا مری روزی مین وسعت ہو　　　مثال آسیا یہ میری قسمت ہو نہین سکتی
مجھے فرصت نہ دے آزار غم یہ ور دستور ہے　　　وگرنہ یہ قلق ہے مجھ سے خدمت ہو نہین سکتی
تری ہمدردیون سے دل مرا صیاد دکھتا ہے　　　قفس مین رہکے آزادی کی راحت ہو نہین سکتی

روان جب تک نہ دیکھا تھا تجھے مین یہ سمجھتا تھا
کہ دو دن مین کسی کی ایسی حالت ہو نہین سکتی

حرص دنیا مین گر انسان گرفتار نہو　　　دل پشیمان نہ ہو روح کبھی خوار نہو
لغزشین یہ ہین عمل یہ ہے خدا ہی کی پناہ　　　کیا کرے روح اگر جسم سے بیزار نہو

بے محل فکر طلب جذبہ ضایع ہے روان
ہاتھ پھیلاؤ جہان صورت انکار نہو

ہوگئی وجہ سکون گردش تقدیر مجھے　　　خواب سے پہلے نظر آتی ہے تعبیر مجھے
قبر تک لائی ہے احباب کی تدبیر مجھے　　　آگے لیجائے کہان دیکھئے تقدیر مجھے

دل ہوا آزاد تو ہے قید بھی سامان نشاط — ہو گیا ساز طرب۔ نغمۂ زنجیر مجھے
نظم ہستی کو سمجھتا ہون مین اک خواب جنون — کون بتلائے مرے خواب کی تعبیر مجھے
جو زمانے کے خیالات ہین کرتا ہون ادا — جانیے آپ مرے دور کی تصویر مجھے
مل گیا مل گیا انجام گنہ اے داور — اب خیالات مرے دیتے ہین تعزیر مجھے
دل مین طوفان وفا چہرہ پر اک موج نشاط — یاد ہے تیرے اسیرون کی یہ تصویر مجھے
باغبان تاک ہین صیاد عدو برق عدو — آفت جان ہے یہ دو تنکون کی تعمیر مجھے
سد انوار حقیقت ہے مرا پردۂ زیست — توڑ دینا ہے یہ آئینۂ تصویر مجھے

بوئے خون آتی ہے ہر گوشۂ گلشن سے روان
مقتل حسن ہے یہ خاک کی تعمیر مجھے

راہ و رسم ابتدائی دیکھ لی — انتہائے بے وفائی دیکھ لی
سامنے تعریف غیبت مین گلہ — آپ کے دل کی صفائی دیکھ لی
اب نہین ملنا کسی سے بھی پسند — سب کی اچھائی برائی دیکھ لی
نام بھی دامن پہ سرخی کا نہین — دیدہ و دل کی کمائی دیکھ لی
بےخبر ہین وہ مری حالات سے — نالۂ دل کی رسائی دیکھ لی

عشق اپنا ہے فقط اتنا روان

اچھی صورت آگے آئی دیکھ لی

یارب نہ ہو کسی کو یون حرص آرزو بھی ارمان بھی نہ نکلا دل ہو گیا لہو بھی
اس دل کو کیا کہون مین ضدین کا ہے طالب لذت تلاش کی ہے ملنے کی آرزو بھی
دیوانگی پہ میری ہنستے ہین اہل باطن چاک جگر بھی چاہون کرتا رہون رفو بھی
اب شیشہ و سبو کیا ساقی بھی رو رہا ہے رونق تھی میکدہ کی ستون کی ہاے و ہو بھی
تسکین قلب مضطر فکر تلاش سے تھی
لیکن رواں مٹا اب وہ لطف جستجو بھی

عجیب قسم کی بجلی نگاہ یار مین ہے کہ جل بجھے یہ ہوس قلب بیقرار مین ہے
گلون کو پیار نہ کر مجھ کو ڈھونڈھنے والے کہ میرے حسن کا جلوہ ہر ایک خار مین ہے
حرارت تپش ہجر اے معاذ اللہ اک آفتاب قیامت ہر اک شرار مین ہے
طلسم وعدۂ فردا کے توڑنے والے تجھے خبر نہین کیا لطف انتظار مین ہے
کسی کو تاب نہین دید روے جانان کی
رواں غریب ستم دیدہ کس شمار مین ہے

انکو جفا پہ فخر ہے ہم کو وفا پہ ناز ہے حسن نواز ہے جنون حسن جنون نواز ہے
ناصیہ نیاز سے کہتی ہے گرکوے دوست خاک مین جو ملا یہان بس وہی سرفراز ہے

آئینہ خانہ چھوڑیے آئیے بزم شوق مین — عشق کی جان بن گئی حسن کی شوق نازہی
جانکے زیست کا مآل پاکے اجل کو رُو برُو — پھر بھی ہین مست عیش ہم یہ بھی عجیب راز ہی

اُٹھکے حرم سے اس لئے جاتے ہین میکدہ رواںؔ
ایک کو ایک پر یہان فوق ہے امتیاز ہے

نکل جائے یونہی فرقت مین دم کیا — نہ ہوگا آپ کا مجھ پر کرم کیا
ہنسے بھی روئے بھی لیکن نہ سمجھے — خوشی کیا چیز ہے دنیا مین غم کیا
مبارک ظالمون کو ظلم ہسہم پر — جو اپنا ہی کیا ہے اسکا غم کیا
مٹا جب امتیاز کفر و ایمان — مکان کعبہ کیا بیت الصنم کیا
نہین جب قوت احساس دل مین — غم دنیا سرور جام جم کیا
گذر ہی جائینگے غربت کے دن بھی — کرین دو دن کو اپنا اخلاق کم کیا
مری بگڑی ہوئی تقدیر بھی ہے — تمہارے طرۂ گیسو کا خم کیا
مری تقدیر مین لکھا ہے تونے — بتا اے مالک لوح و قلم کیا
بھلا دیگی ہمین دو دن مین دنیا — ہماری شاعری کیا اور ہم کیا
ہر اک مشکل کو حل کرتی ہے جب موت — گرون آگے کسیکی سر کو خم کیا

رواںؔ کے درد کا عالم نہ پوچھو

کوئی یون ہو گا مست جام جم کیا

جسطرح ہو روح کی مشکل کو آسان کیجئے
ختم بحث امتیاز کفر و ایمان کیجئے

دل کو محو جلوۂ رخسار جانان کیجئے
بس اسی صورت سے کافر کو مسلمان کیجئے

جو لکھا ہے کاتب تقدیر نے ہو گا وہی
اپنی کوشش بھی مگر تا حد امکان کیجئے

آپ ہے حسرت کدہ مین دل کے لیکن اسطرح
جو بجھی شمعین ملین انکو فروزان کیجئے

باغ عالم مین اگر ہو آرزوے وصل گل
مثل شبنم تار تار اپنا گریبان کیجئے

جب فنا ہونا یقینی ہے دل بیمار کا
کیون اسے شرمندۂ تکلیف درمان کیجئے

دل کے داغون کا جو منظر دیکھنا ہو صبح وصل
کچھ چراغون کو بجھا کر پھر فروزان کیجئے

کیون کسی سے کیجئے آخر طلب داد سخن
نغمہ سنجی مثل مرغان خوش الحان کیجئے

چونک اٹھینگے قبر مین آسودگان خواب مرگ
یون نہ سیر منزل گور غریبان کیجئے

نبض جنبان ہے چمن کی ہر رگ گل وقت صبح
آیئے اسوقت مین سیر گلستان کیجئے

تھا قیام زیست تک ہنگامہ ہستی رواں
اب سفر در پیش ہے راحت کا سامان کیجئے

لب تبسم ریز چہرہ شاد دل بہکا ہوا
جا رہا ہون کسطرف کس رنگ مین ڈوبا ہوا

نزع مین آکر کھلا ہے عالم فانی کا راز
اے مری جاتی ہوئی دنیا بڑا دھوکا ہوا

اور اب کوئی ورق اے کاتبِ قدرت الٹ — اسکو کیا دیکھون جو ہے سو بار کا دیکھا ہوا
یاد ہے ابتک مجھے اُس گل کا آنا شام وصل — ناز سے سمٹا ہوا۔ رکتا ہوا۔ بڑھتا ہوا
ہمنشین فصل بہاری مین مزاج دل نہ پوچھ — تو نے دیکھا ہے کبھی دریا کوئی بڑھتا ہوا
یہ بھی کیا کم ہے میری تسکین خاطر کے لیے — اُٹھ گیا ہے وہ بھری محفل سے شرمایا ہوا
غم نہ تھا اسکا کہ مجھ پر غیر کرتے تھے ستم — جانتا تھا مین جنھین ہمدرد اُنکو کیا ہوا

جو نہ ہو جائے غنیمت ہے، رواں اس دور مین
رنگ ہی دنیا کا ہے کچھ آجکل بدلا ہوا

گل ویرانہ ہون کوئی نہین ہے قدردان میرا — تو ہی دیکھا ہے مرے خلاق حسن رائگان میرا
یہ کہکر روح نکلی ہے تن عاشق سے فرقت مین — مجھے عجلت ہی بڑھ جائے نہ آگے کاروان میرا
ہوا اُسکو اڑا لیجائے اب یا پھونکدے بجلی — حفاظت کر نہین سکتا مری جب آشیان میرا
زمین پر بار ہون اور آسمان سے دور اے مالک — نہین معلوم مجھکو آخر ٹھکانا ہے کہان میرا
مجھے نغمہ کا لطف آتا ہے راتون کی خموشی مین — دل اشکستہ ہے اک ساز آہنگ فغان میرا
وہین سے ابتدا ہے کوچہ دلدار کی حد ہے — قدم خود چلتے چلتے آکے رک جائے جہان میرا

ذرا دور اور ہے اے کشتیِ عمر رواں ساحل | کہ اس بحرِ جہاں میں ہر نفس ہے بادباں میرا
ہوئی جاتی ہے تنہائی میں لذتِ روح کی ضایع | لٹا جاتا ہے ویرانے میں گنجِ شائگاں میرا
عناصر ہنستے ہیں دنیا کی وسعت مسکراتی ہے | کسی سے پوچھتے ہیں اہلِ بینش جب نشاں میرا
مرے بعد اور پھر کوئی نظر مجھ سا نہیں آتا | بہت دن تک کرینگے سوگ اہلِ خانداں میرا
غنیمت ہے نفس دو چار جو باقی ہیں اب ورنہ | کبھی کا لٹ چکا سرمایۂ سود و زیاں میرا
ابھی تک فصلِ گل میں اک صدائے درد آتی ہے | وہاں کی خاک سے پہلے جہاں تھا آشیاں میرا

رواں سچ ہے محبت کا اثر ضایع نہیں ہوتا
وہ رو دیتے ہیں اب بھی ذکر آتا ہے جہاں میرا

لذتیں دنیا کی وجہ ضعفِ انساں ہو گئیں | ہو گئے مجبور دل روحیں پشیماں ہو گئیں
جو خلش قسمت میں لکھی تھی وہ قایم ہی رہی | جتنی آہیں ضبط کیں میں نے سب ارماں ہو گئیں
میکدہ میں حضرتِ واعظ تھے جبینِ طعنہ زن | اب یہی بے دینیاں اجزائے ایماں ہو گئیں
دل کے داغوں میں جھلک اُن کی نظر آتی ہے اب | بھول سی جو صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں
خود نمائی کی جو کل تک خواہشیں اس دل میں تھیں | آج نذرِ منظرِ گورِ غریباں ہو گئیں
اب نہ وہ دل ہے نہ وہ ہم ہیں نہ وہ جوشِ نشاط | جیسے اگلی صحبتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں
بن گئے یوں گورِ غریباں پر نہ آنا تھا تمہیں | دیکھنا اُن بستیوں کو تھا جو ویراں ہو گئیں

اک مرض تھا لا علاج امکانِ صحت کا خیال   بڑھ گئین بیماریان جب حلسے دوائی گئین
اس نشاطِ زندگی پر ناز ہے مشکور رواں
وقفِ تدبیرِ غلامی جسکی گھڑیاں ہو گئین

ہوتا تو وہی جو کچھ قسمت مین لکھا ہوتا   تدبیر اگر کرتا کچھ رنج سوا ہوتا،
اے فلسفۂ فطرت کچھ بات نہ گر ہوتی   اس خاک کے پتلے کو یہ حسن عطا ہوتا
اللہ کی مرضی مین فریاد یہ کیا معنی   جب بس نہ تھا کچھ اپنا تو صبر کیا ہوتا
شرمندۂ درمان کیون خالق نے کیا ہمکو   جسکی نہ دوا ہوتی وہ درد دیا ہوتا،
پروردۂ عصیان ہے دنیائے خطا مسلک   اے کاش کہ مین اسمین پیدا نہ ہوا ہوتا،
اچھا ہے رواں تم نے میخانہ سے منھ موڑا
آغاز تو جو کچھ تھا۔ انجام بُرا ہوتا

اُنسے پوچھے کوئی یہ کیا ہی جو بیداد نہین   منھ پہ کہتے ہین رواں کون تھا کچھ یاد نہین
روح کیا روح جو ہو قیدی زندانِ حیات   دل وہ کیا دل جو غمِ دہر سے آزاد نہین
نعمتین سب مرے خالق نے عطا کی ہین مجھے   پھر بھی دلکو یہ قلق ہے کہ مین آزاد نہین
اب خزان آئے چمن مین کہ رہے فصلِ بہار   مجھ سے کیا واسطہ جب دل مرا آزاد نہین
یہ تو ہے بات ہی کچھ اور کہ مین کچھ نہ کہون   ورنہ کیا مجھ پہ جو گذری ہی مجھے یاد نہین

مایۂ روح ہے ایام گذشتہ کا خیال — حیف کچھ ایسی بھی باتین ہین کہ جو یاد نہین

یادگارین دل مردہ کی ہین سو ہان حیات — شکر ہے ایسے بھی کچھ ہین کہ تجھے جو یاد نہین

وقت جو یاد ہے اب تک اسے ضایع نہ کہو — ہان وہ ضایع ہوا ہے وقت کہ اب یاد نہین

سب جنھین سمجھے ہین قیدی وہ نہین ہین قیدی — جنکو سب کہتے ہین آزاد وہ آزاد نہین

آخر امکان وفا کی کوئی تدبیر بھی ہے — تم تو ہر وعدہ کو سکتے ہو کہ ہین یاد نہین

دیکھین گرتی ہے قفس پر کہ چمن پر بجلی — آج یا مین ہی نہین یا مرا صیاد نہین

اپنا اپنا یہ مقدر ہے شکایت کیسی

سارا عالم تو ہے مسرور رؔوان شاد نہین

وہ خوش ہو کے مجھ سے خفا ہو گیا — مجھے کیا امیدین تھی کیا ہو گیا

نوید شفا چارہ سازون کو دو — مرض اب مرا لا دوا ہو گیا

کسی غیر سے کیا توقع کہ جب — میرا دل ہی دشمن مرا ہو گیا

کہان سے کہان لائی قسمت مری — کس آفت مین مین مبتلا ہو گیا

مین یکجا ہی کرتا تھا اپنے حواس — کہ اُنسے مرا سامنا ہو گیا

رؔوان تو کہان اور کہان دردِ عشق

تجھے کیا یہ مرد خدا ہو گیا

جاتے ہو خیر جاؤ کچھ اصرار بھی نہین لیکن جو تم نہین تو دل زار بھی نہین
اس چاک چاک دل کا کرون کیا معالجہ صحت نصیب بھی نہین بیمار بھی نہین
پی لینگے خیر آپ کی خاطر سے چند گھونٹ میخوار بھی نہین ہین ہمین عار بھی نہین
حسرت زدہ دلون کا نہ پوچھو معاملہ بیہوش اگر نہین ہین تو ہشیار بھی نہین
قید بلائے وہم سے جنبش محال ہے مجھ سا جہان مین کوئی گرفتار بھی نہین
کچھ بات ہے کہ جان کھنچی جاتی ہو مری آزار کی جو پوچھو کچھ آزار بھی نہین

ہستی مجھے خود اپنی معما ہے اے رؤان
آزاد بھی نہین ہون گرفتار بھی نہین

ایسے زخم دل پہ عاشق کسطرح اترا نہ جائے حال جسکا دوست کیا دشمن سے بھی دیکھا نہ جائے
دیکھنا اے ناخدائے بحر الفت دیکھنا دل کی کشتی سنگ عصیان سے کہین ٹکرا نہ جائے
کیا غضب ہے، ہون تو نکھین دیکھنے کے واسطے اور ہم چاہین کہ کچھ دیکھین مگر دیکھا نہ جائے
اُف ری کمزوری دل اللہ رے کار تیر دوست اپنا ہی چاک جگر دیکھین ہم اور دیکھا نہ جائے
کر دیا ہے کام میرا ختم جب فریاد نے آسمان تک اب نہین جاتی تو جیتا جیا نہ جائے
پھونکدے جسم و جگر کیا یہ بھی امکان مین نہین آسمان تک آہ سوزان ہم نے پہچانا نہ جائے
اپنی قسمت ہو دگر نہ اے دل وحشت سرشت اپنے گھر مین وہ بلائین ہم کو اور جایا نہ جائے

ایک ہی دریائے بے پایان کے قطرے ہم ہین
حیف ہے گر ہم مین کوئی جانب دریا نہ جائے

آنکھین کھل جائینگی اس بے پائی کو دیکھکر
خیر اسی مین ہے کہ قطرہ جانب دریا نہ جائے

نفس کے ساتھ اب آتے ہین لخت دل روان
حال بہتر ہے مریض غم کا کچھ پوچھا نہ جائے

فکر عقبیٰ کیا کرین ہم یا غم دنیا کرین
عقدۂ ہستی کو کس ناخن سے آخر وا کرین

ایک عالم محو نظارہ ہے اور وہ پردہ دار
گر اسی کا نام پردہ ہے تو وہ پردا کرین

اپنے دامن مین بھرے بیٹھے ہین خاک کوئے دوست
دل کے ذرون کو ارادہ ہے کہ پھر یکجا کرین

اس دل مردہ کا حال اے ہمنشین ہم سے نہ پوچھ
ہم پہ جو گذری سو گذری انکو کیون رسوا کرین

پھر غنیمت تھے وہ ہنگامے جنون عشق کے
جب سے آئے ہوش مین یہ فکر ہے اب کیا کرین

جانے والے چلدیئے دنیا کی بستی چھوڑ کر
رونے والے ایکدن کیا عمر بھر رویا کرین

انکے آتے ہی تڑپ کر مر گیا بیمار غم
یہ حد تدبیر بھی تقدیر کو ہم کیا کرین

اس قرینے کے ستمگارون نے خلق کی تباہ
آپ ہی بیداد گر ہون آپ ہی شکوا کرین

جب فنا ہونا یقینی ہے دلی جذبات کا
یاس کا غم کامیابی کی مسرت کیا کرین

ایسے بھی کچھ نالہائے قلب مضطر ہین روان
جو فضائے آسمانین حشر تک گونجا کرین

آسان سے جو آسان تر مشکل سے بھی جو مشکل تھا — وہ منزل الفت میں اک مرحلۂ دل تھا
جان محو ریاضت تھی - تن صرف مشاغل تھا — منزل میں بھی میں ہو کر بیگانۂ منزل تھا
اب دور کیا تم نے اے ہوش و خرد مجھکو — قربت مجھے حاصل تھی جبتک کہ میں غافل تھا
سمجھے ہو فرومایہ جس اشک ندامت کو — میرے دل عاصی کی کل عمر کا حاصل تھا
اب اُٹھ کے کہاں جاؤں ساقی ترے کوچے سے — کاوش تھی فقط جبتک ناواقف منزل تھا
اک حسن کے پرتو نے تغییر حقیقت کی — گو اب بھی وہی دل ہے پہلے بھی وہی دل تھا
حیران ہوں کہ مائل تھا کیوں اس پہ دل دانا — جس پردۂ دنیا کا جو نقش تھا باطل تھا
دیوانۂ الفت کو ہے قید بھی آزادی — میں بند سلاسل میں آزاد سلاسل تھا
امکان میں کوشش تھی انجام پہ کیا قابو — ہر حال میں جو خوش تھا بیشک وہی عاقل تھا
قطرہ کی یہ ہستی ہو میں نازش دریا ہوں — ذرے کی یہ خودبینی میں موجد ساحل تھا
وہ مجھکو مٹاتے ہیں احسان نہیں کرتے — میں با دل خون گشتہ مٹنے ہی کے قابل تھا
روداد محبت کی کیا تم سے کہیں کیا تھی — آغاز غم دل تھا - انجام غم دل تھا
اس قالب انساں میں کیا میں نے ترقی کی — آوارۂ منزل ہوں آوارۂ منزل تھا

کرتے تو رواں کرتے کیا شکوۂ غم اُسنے
خود سانس بھی لینا جب فریاد میں داخل تھا

اسی کو نعمت حسن بیان بھی کہتے ہین — کہ چپ بھی رہتے ہین اور داستان بھی کہتے ہین
جہان قدم نہین رکھتے کسی کے دیوانے — اسی زمین کو ہم آسمان بھی کہتے ہین
جو بزم تن مین ہے اک نور پرتو رخ یار — جو کم نظر ہین اسے شمع جان بھی کہتے ہین
کسی طرف نظر یاس کر کے رو دینا — میری زبان مین اسی کو فغان بھی کہتے ہین

لہو سے اپنے جو رہتا ہے آپ تر دامن
اسی عزیب کو شاید ردان بھی کہتے ہین

گنہ بھی اسمین شامل نیکیان بھی اسمین داخل ہین — ترے آگے جو کچھ تھی مین نے اپنی داستان رکھدی
کھٹک تھی میرے پہلو مین مگر کیا یہ سمجھتا تھا — بجائے دل مرے خالق نے اک نوک سنان رکھدی
قفس مین اور صیاد نے مجھ پر ستم ڈھایا — نظر کے سامنے ہی لا کے شاخ آشیان رکھدی
یقین ہے آستان سجدہ مشکل سے ملے لیکن — قیامت تک نہ پھر اٹھیگی پیشانی جہان رکھدی

دل انسان مین جب فطرت نے رکھین قوتین لاکھون
تو اک کمزوری الفت بطرز امتحان رکھدی

جوش تاثیر محبت آزمانا چاہیے — جب زبان معذور ہو آنسو بہانا چاہیے
اقتضائے نظم ہستی ہے یہ نیرنگ نمود — زندگی اور موت کا دھوکا نہ کھانا چاہیے
ہم نہ بتخانے کے بندے ہین نہ کعبہ کے مرید — ہو جہان نور حقیقت سر جھکانا چاہیے

گر یہی آئین فطرت ہے تو اے طبع سلیم
کیون کسی کی موت پر آنسو بہانا چاہیئے

ہے یہی تلقین مذہب اور یہی تعلیم عقل
روح کو قید تعلق سے چھڑانا چاہیئے

امتحان ہمت انسان ہین یہ دشواریان
مشکلات زیست سے گھبرا نہ جانا چاہیئے

رنج و راحت کی کشاکش مین بہت مدت ہوئی
کچھ تو اے دل اب قدم آگے بڑھانا چاہیئے

کیجئے پامال اس دل کو مگر اس شرط پر
یادگار عشق ہے یہ مٹ نہ جانا چاہیئے

مرگ بے ہنگام کا احسان کیون گردن پہ ہو
اپنے ہاتھون اپنی ہستی کو مٹانا چاہیئے

جسکے اک اک تنکے مین پنہان ہون سو بجلیان
طائر ہمت کو ایسا آشیانا چاہیئے

سہل ہی اک بات ہو مرنا مگر اے قید زیست
روح کے آزاد ہونے کو زمانا چاہیئے

چھوٹ جانے کا قفس سے گو نہین دل کو یقین
پھر بھی رہتا کہ رہا ہون آشیانا چاہیئے

اسلئے کرتا ہون اکثر نالہائے جانگداز
کچھ تو آخر بعد مردن چھوڑ جانا چاہیئے

ہنستے ہو طوق غلامی پا کے گردن مین جوان
تم کو اس پر خون کے آنسو بہانا چاہیئے

رشک ساکن فردوس آج میری ہستی ہے
یار بے تکلف ہے شغل مے پرستی ہے

راز فطرت عالم ضبط ہے مگر اسمین
یہ جو کہہ سکے ہمدم دل کی کوئی ہستی ہے

زیر گام ہمت ہین آدمی کے ہفت افلاک
پھر بھی تنگدل رہنا حوصلہ کی پستی ہے

قدر و قیمت ہستی کچھ ہمین سمجھتے ہین — دیکھے دین و دنیا بھی ملسکے تو سستی ہے
مشہد غریبان کی بیکسی پہ مت جانا — ایک ایک ذرہ مین ایک ایک بستی ہے
مرکز خلایق تھین کل محبتین جنکی — آج قبر پر اُنکی بیکسی برستی ہے
حُسن کی اطاعت بھی اصل مین عبادت ہے — میری بت پرستی مین شان حق پرستی ہے
اگلی صحبتین ساری خواب کی سی باتین ہین — دوستون سے ملنے کو روح اب ترستی ہے
ظاہر اسب اپنے ہین اور پھر نہین کوئی — اس جہان کی بستی بھی کچھ عجیب بستی ہے
مین کسی سے کیا چاہون مین کسی سے کیا مانگون — دولت ہمہ عالم میری تنگدستی ہے
کعبۂ وفا ہے یہ - خانۂ خدا ہے یہ — اُف یہ کیا کہا تمنے دل کی کوئی ہستی ہے

اپنا خون دل پیکر مست ہے رواں لیکن
دیکھنے کو دنیا کے وقف مے پرستی ہے

سینے مین تھی نہ نزع کے رنج و محن مین تھی — عاشق کی ایک بات جو دیوانہ پن مین تھی
سادہ ورق تھا باہمہ گلہائے رنگ رنگ — تفسیر جان پاک بیاض کفن مین تھی
پڑھتا تھا اور ذوق طلب بیکسی کے ساتھ — کچھ دلکشی عجیب نواح وطن مین تھی
بیمار چپ ہین کرتے ہین فریاد چارہ گر — کیا داستان درد سکوت محن مین تھی
کہتا تھا چشم شوق سے وہ آفتاب حسن — ہلکی سی اک شعاع تھی جو انجمن مین تھی

کچھ اضطراب عشق کا عالم نہ پوچھیے، بجلی تڑپ رہی تھی کہ جان اس بدن میں تھی
کس سے کہوں کہ تھی وہی گلہائے رنگ رنگ
بکھری ہوئی جو خاک سواد چمن میں تھی

دل مجروح کو شرمندۂ فریاد کیا کرتے زیادہ اور اس برباد کو برباد کیا کرتے
زمین سے آسمان تک بھر دیا ہے جوش آزادی اسیروں نے تمہارے جو کیا آزاد کیا کرتے
اسیروں نے ترے پابندی ہستی سے تنگ آکر قفس بھی پھونک ڈالا آشیاں کو یاد کیا کرتے
معما ہے جنہیں خود اپنی ہستی بزم عالم میں وہ کم اندیش شرح عالم ایجاد کیا کرتے
بہر تقدیر کچھ دن کاٹنا تھے قید ہستی کے قفس برباد کر کے آشیاں برباد کیا کرتے
ہر اک انجام اس دنیا میں ہے آغاز کا تابع نہ کرتے وہ مجھے آباد تو برباد کیا کرتے
جہان آرزو کے ذرہ ذرہ میں تزلزل تھا
رواں ہم حسرت تعمیر بے بنیاد کیا کرتے

کیجیے کس طرح شرح سوز و ساز زندگی ٭ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے راز زندگی
خلق ہے محو تماشا اور تماشا بے وجود، اپنی صیقل دیکھ لے آئینہ ساز زندگی
یہ وہ منزل ہے کہ جس تک آ کے تھم جاتے ہیں پاؤں موت سے غافل نہ ہو لے سرفراز زندگی
عرش تک چھائی ہوئی ہے تیرے نغمے کی صدا اپنی نے سے بے خبر اے نے نواز زندگی
دیکھ کتنی بجلیاں ہیں سرگرم طواف آہ اے آسودۂ ایوان ناز زندگی

موت انجام حیات اور زندگی آغاز موت
تو نے یہ کیا کر دیا اے بے نیاز زندگی

اب قدم آگے بڑھا اے محو فکر ما سوا
کب تک آخر اسطرح پیہم نماز زندگی

اس کو تو چشم حقارت سے نہ دیکھ اے دلنواز
اضطراب دل مین پوشیدہ ہے راز زندگی

تو نے اسکی بہتری کی بھی کوئی تدبیر کی
یا فقط شکوہ ہی اے شکوہ طراز زندگی

امتداد زیست کے چکر مین ہے کل کائنات
سب کو سرگردان کئے ہے حرص و آز زندگی

کچھ خبر ہے تجھکو اے ایمان فروش لطف و ذوق
کسقدر دشوار ہے سوز و گداز زندگی

یون تو کسکو فکر کسکو ہوش کسکو آرزو
موت سے ہوتا ہے کچھ کچھ امتیاز زندگی

جینا اسکا جینا۔ مرنا اسکا مرنا ہے رواں
زندگی مین بھی رہے جو بے نیاز زندگی

جتنے اثر بھرے گئے نالۂ شب، گداز مین
اتنے ہی پیچ پڑ گئے زلف شکن طراز مین

جلوے تھے جتنے مضطرب لگی حریم ناز مین
عقل نے جذب کر لئے ناصیۂ نیاز مین

عالم محویت ہے یہ، شدت سوز و ساز مین
ترک نماز ہے نہان میری ہر اک نماز مین

ایک شعاع نور حق، تھی جو دل گداز مین
حیف کہ وہ بھی چھپ گئی خیرگی مجاز مین

سنگ زمین کعبہ خود بڑھ کے جبین کو بوسہ دے
ایسے بھی چند سجدے ہین ناصیۂ نیاز مین

کاش عطا ہو پھر وہی نور نشاط بیخودی
قلب سیاہ ہو گیا، کاوش امتیاز مین

حال کھلے توکسطرح یار کی بزمِ ناز کا، جو ہے یہاں وہ مست ہے اپنے ہی سوز و ساز مین
ذوقِ ادب مین ہر نفس سر بسجود ہے یہان فرق ہے شیخ کی نماز اور مری نماز مین
روزِ ازل سے آجتک ہے وہی ربط کارزار عشق کرشمہ سوز مین حسن کرشمہ ساز مین
بادہ کشان ذوق کے ضعف حواس پر نہ جا لغمت بیخودی بھی ہے، خمکدۂ مجاز مین
ناخنِ امتیاز کی عقدہ کشائیان کجا آپ مین راز بنگیا سعی کشودِ راز مین
عیش و نشاطِ کائنات لطف و سرور ہر طرف ضبط ہے راز زندگی، تیری نگاہ ناز مین
ہستیٔ بے وجود ہے مثل سرابِ آرزو دیکھ رہے ہو یہ جو تم آئینۂ مجاز مین
نقد نیاز غزنوی وجہ قبول ہو گیا تاج شہی تھا پائمال، بار گرا یاز مین
وجد مین روحِ آرزو رقص مین ذرہ ہائے دل اف یہ کسی نے کیا کہا خاص زبان راز مین

لائے ہین چند لخت دل نذر نیاز کو رون
دیکھین اگر قبول ہون خدمت بے نیاز مین

ہر ذرہ ہے ازل سے نغمہ طراز ہستی اُس پر بھی ہے ابھی تک بے ربط سازِ ہستی
معلوم اعتبارِ دنیائے راز ہستی مشکوک سا ہے جب خود میرا جواز ہستی
اللہ ری تیری قدرت اے کارساز ہستی ہوتا ہے نیستی سے پیدا امتیاز ہستی
دل پر کرم کہ اسمین پنہان ہے راز ہستی اے دلنواز ہستی اے جان نواز ہستی

گمراہ ہے زمانہ اس زندگی کی خاطر — ہر چند جانگسل ہے سوز و گداز ہستی
مسحور ہیں دو عالم کل کائنات مجنون — اللہ رے طلسم لیلائے راز ہستی
ترتیب دینے والے ترتیب دے ہی لینگے — دیکھیں رہیگا کب تک بے ربط ساز ہستی
یہ کثرت مظاہر یہ وحدت مناظر — اللہ ری تیری صیقل آئینہ ساز ہستی
لوح مزار ہوگا سنگ حریم کعبہ — رہن قضا ہے میرا ذوق نماز ہستی
آئینہ دو عالم ہے ایک قلب انسان — کوزے میں بند ہے سب دریائے راز ہستی
یہ منظر فنا ہیں، خم ہائے پیچ در پیچ — بڑھتی ہی جا رہی ہے زلف دراز ہستی

ہے منتظر رواں بھی لطف و کرم کا تیرے
لے نیستی سے فارغ، اے بے نیاز ہستی

ضایع ہے نقد ہستی۔ برباد گفتگو ہوں — ڈھلکی ہوئی صراحی چھلکا ہوا سبو ہوں
کسکی تلاش میں اب سرگرم جستجو ہوں، — میں آپ اپنا مقصد۔ آپ اپنی آرزو ہوں
مجھکو بتا۔ خدایا ہستی کا میری حاصل — آخر میں کس کا مقصد میں کسکی آرزو ہوں
ہر ذرہ گا رہا ہے توحید کے ترانے — بس ایک ننگ ہستی میں۔ سر در گلو ہوں
سمجھیں سمجھنے والے اس اضطراب دل کو — معذور خامشی ہوں مجبور گفتگو ہوں
اک نقطہ میں ہے پنہاں۔ دونوں کی شرح ہستی — قاتل کی آستین پر پھیلا ہوا لہو ہوں

اے کاش کوئی کہدے اُنسے مری کہانی
دیدار کی تمنا ملنے کی آرزو ہون،

چمن فروز چمن سوز - لالہ زار ہون مین | خزان ہی جسکے تعاقب مین وہ بہار ہون مین
خزان نصیب چمن بند روزگار ہون مین | قرار اسی مین ہی مجھکو کہ بیقرار ہون مین
بساط دہر مین مانند مہرۂ شطرنج | نہ جانے کس لئے سرگرم کارزار ہون مین
جہاں مین صورت فوارہ زندگی ہی مری | کہ آپ اپنی بلندی پر اشکبار ہون مین
نہان ہی جسمین کلید ازل وہ راز ہون مین | خموش یون ہون کہ سرگرم سوز و ساز ہون مین

فضائین گونج رہی ہین رواں مرے دم سے
تمام نغمہ ہستی کا نے نواز ہون مین،

کام جب کچھ نہ دیا حکمت و دانائی نے | بیخودی شیوہ کیا تیرے تمنائی نے
جسکو سمجھے تھے خیالات کی دنیا کل تک | آج سب دیکھہ لیا چشم تماشائی نے
اللہ اللہ یہ عرفان محبت کا اثر | خار کو خار نہ سمجھا ترے سودائی نے
شکوہ کس بات کا - پردے سے نکلنے والے | تجھکو بدنام کیا تیری خود آرائی نے
آبلے دل کے یہان ٹوٹ کے ناسور ہوئے | مڑکے دیکھا بھی نہ اُس محو خود آرائی نے
قلب سرگرم تپش اور زبانین خاموش | کچھ عجب سحر کیا ہے تیری رعنائی نے

نفسِ گمراہ کا اعلان قیامت ہوتا　　مار ڈالا مجھے اندیشۂ رسوائی نے
ہمکو بہتر نہ کیا خلق کو بہتر نہ کیا　　بے اثر روز کی اس قافیہ پیمائی نے
بندگی باعث اصلاح عمل ہو جاتی　　ساتھ ہی چھوڑ دیا ذوق جبین سائی نے
جگمگاتے ہوئے تارون سے یہ آتی ہے صدا　　عرش کو عرش کیا فیض جبین سائی نے
عظمت روح کا احساس بھی باقی نہ رہا　　ہمکو برباد کیا مشق جبین سائی نے
نزع کی اک نگہ یاس نے وہ کام کیا　　عمر بھر جو نہ کیا طاقت گویائی نے
تھا اکیلے مین بھی طومار خیالات وہی　　عمر بھر منھ نہ دکھایا مجھے تنہائی نے

اپنا ہی چاک جگر دیکھ کے ہنستا ہے رواں
کبھی ایسا نہ کیا تھا کسی سودائی نے

یہ کسنے آخر شب پردہ ہائے نور سے جھانکا　　کہ لو دینے لگا ایک ایک ذرہ بزم امکان کا
یہ قصہ مختصر ہے انتہائے کبر انسان کا　　کہ ہے ادنیٰ مسافر منزل گور غریبان کا
ازل کے دن نظر آئی تھی جو بکھری ہوئی زلفین　　ابھی تک ہے اثر دل پر اُسی خواب پریشان کا
نہین ہے چشم انسان در خور کیف نظر ورنہ　　ہر اک خاموش نقطہ مین ہے عالم شبستان کا
قدم رکھنا سنبھلکر وادی دلکش کے دیوانو!　　حد گلشن سے ہے وابستہ بغل ڈانڈا بیابان کا
کوئی تفسیر بانئے زندگانی مین نہین ممکن　　حیات و موت بھی اک نام ہے تبدیل عنوان کا

خمیرِ گل مین شاید ذرہ ہائے قلبِ بلبل ہین — یہ کیا ہو ورنہ ہنسکر پھاڑنا جیبِ گریبان کا
وہ عالم گر نظر آجائین جو آنکھونسے پنہان ہین — ابھی سارا بھرم کھل جائے دنیائے نمایان کا
معاذ اللہ ان جمعیتون پر جب یہ عالم ہے — نہ جانے کیسا منظر ہوگا اجزائے پریشان کا
ارادہ ہے کہ چندے یاس سے اب دل کو توڑ دون — کہانتک کھاؤنگا دھوکا امیدِ سُست پیمان کا
مجھے گھیرے ہوے ہے ہر طرف ذوقِ گنہگاری — یہ دنیا آئینہ خانہ ہے میرے نفسِ عصیان کا
مہ و خورشید مین بگڑے ہوئے نقشِ قدم جسکے — کوئی دم کیجئے اندازہ اُس کے روئے تابان کا
اثر کچھ بھی سہی مین شوخیِ جدّت کا قایل ہون — کہ وہ پیکان سے بھرنا چاہتے ہین زخم پیکان کا

روان ذوقِ سخن تیرا تجھے خود داد دیتا ہو
ترا انداز ہے اندازِ مرغانِ خوش الحان کا

خوشی جو قلبِ غریب الوطن مین آئی ہے — شعاعِ نور ہے بیت الحزن مین آئی ہے
تیری نگاہِ جراحت نواز کے صدقے — یہ تازگی میرے داغِ کہن مین آئی ہے
کہان نصیب تھی ہوش و خرد کے عالم مین — وہ ایک بات جو دیوانہ پن مین آئی ہے
چلو دہین دلِ پژمردہ لیچلین اپنا — جہانسے بادِ بہاری چمن مین آئی ہے
ہر اک ذرہ ہے جدت طرازِ رنگِ بہار — جدید موج شرابِ کہن مین آئی ہے
ازل سے ہے یہی بابِ بہار کی سُرخی — جو آفتاب کی پہلی کرن مین آئی ہے

کل ایک غنچہ نے بادِ سموم سے یہ کہا　　ہزار بار خزان اس چمن مین آئی ہے
تحیرات سے خالی نہین ہے موسمِ گل　　نئی حیات نئے پیرہن مین آئی ہے
نہ گل ہوئی ہے نہ شمعِ حیات گل ہوگی　　ہزار بار یونہی انجمن مین آئی ہے
ارے میرے دلِ خندان کے روندنے والے　　بہت دنون مین بہار اس چمن مین آئی ہے

یہ تازگی یہ لطافت یہ سادگی یہ ادا +
رواں کیسی شباہت چمن مین آئی ہے

سب کچھ گمان بھی کر مین آگاہ راز تھا　　کس درجہ کامیاب فریب مجاز تھا
مثل مہ دو ہفتہ وہی سرفراز تھا　　جسکی جبین شوق پہ داغ نیاز تھا
پوچھو نہ حال کشمکش یاس و آرزو　　وہ بھی عجیب مرحلۂ جانگداز تھا
جب تک حقیقتون سے مرا دل تھا بیخبر　　بیچارہ مبتلائے غم امتیاز تھا
جھونکا ہوائے سرد کا رندون کے واسطے　　گنجا نہ بہار سے حکم جواز تھا
اہل جہان کے کفر و توہم کا کیا علاج　　آئینہ کہہ رہا ہے کہ آئینہ ساز تھا
مضمر تھے میری ذات مین اسرار کائنات　　مین آپ راز آپ ہی خود شرح راز تھا
آئین پسند کیا اُسے دُنیا کی راحتین　　جو لذت آشنائے ستمہائے ناز تھا
خلقت سمجھ رہی تھی جسے اضطراب دل　　پنہان اسی مین ہستی عاشق کا راز تھا

اچھا ہوا ہمیشہ کو چپ ہو گیا روان
اک اک نفس عجیب کا ہستی گداز تھا

یونہی گر ہر سانس مین تھوڑی کمی ہو جائیگی — ختم رفتہ رفتہ اکدن زندگی ہو جائیگی
دیکھنے والے فقط تصویر ظاہر پر نہ جا — ہر نفس کے ساتھ دنیا دوسری ہو جائیگی
گر یہی فصل جنون زا ہے یہی ابر بہار — عظمت توبہ نثار میکشی ہو جائیگی
مرگ بے ہنگام کہتے ہین جسے آج اہل درد — کل یہی صورت بدلکر زندگی ہو جائیگی
ذکر ہے زندان مین وہ گلزار پر بجلی گری — آج میرے آشیان مین روشنی ہو جائیگی
سجدہ گاہ عام پر سجدے سے کچھ حاصل نہین — مفت آلودہ جبین بندگی ہو جائیگی
ختم ہے شب چہرہ مشرق سے اٹھتی ہے نقاب — دم زدن مین روشنی ہی روشنی ہو جائیگی
متصل ہین ضعف و قوت کی حدین ہان ہوشیار — ورنہ اس ترک خودی مین خودکشی ہو جائیگی
زخم بھی تازہ ہے اور دل بھی نہین مانوس درد — رفتہ رفتہ یونہی عادت صبر کی ہو جائیگی

شمع سان جب شام ہی سے ہے گداز دل روان
صبح تک کیا جانے کیا حالت تری ہو جائیگی

کسی طرح نہ میرے دل کو جب قرار آئے — میری بلا سے خزان آئے یا بہار آئے
کسی سے عالم فطرت کا یہ تقاضا ہے — جدھر نگاہ کرم ہو ادھر بہار آئے

نفس نفس متغیر ہے عالم فانی — کسی کو آئے تو کسطرح اعتبار آئے
ترے کرم کے تصدق ترے کرم کے نثار — امیدوار گئے ہم امیدوار آئے
نجات روح کو ہستی کی کشمکش سے کہان — عدم مین جا کے فقط نیستی اُتار آئے

وہ بادہ نوش حقیقت ہو اس جہان مین روان
کہ جھوم جائے فلک گرادے خمار آئے

دھوکے کا تعین بھی دھوکا نظر آتا ہے — تصویر سمجھتا ہون پردا نظر آتا ہے
یہ نور جو پردون سے چھنتا نظر آتا ہے — حیران ہون مین کس کا جلوا نظر آتا ہے
رحمت تری بیجا ہے بخشش تری بے پایان — منصور کو ہر قطرہ دریا نظر آتا ہے
ہر قطرہ بے جان ہے طوفان حیات افزا — ہر ذرے مین اک محشر برپا نظر آتا ہے
دنیا مین تغیر ہے اک دل کی جدائی سے — فطرت کا ہر اک منظر سونا نظر آتا ہے
سو طرح کے نقشے ہین سو رنگ کی تصویرین — پھر بھی ورق ہستی سادا نظر آتا ہے
تاریکی عصیان ہے عکس اپنی نگاہون کا — اندھے کو ہر آئینہ اندھا نظر آتا ہے
جو کچھ ہے غنیمت ہے جب تک ہے غنیمت ہے — کچھ رنگ ہی دنیا کا بدلا نظر آتا ہے
دشوار ہے دنیا مین انسان کا خوش رہنا — جو دل نظر آتا ہے چھالا نظر آتا ہے
کچھ تو نے کبھی سوچا دیوانۂ آب و گل — کیا تجھ سے امیدین تھین اور کیا نظر آتا ہے

کچھ اصل و حقیقت ہو اس گنبد گردون کی　　یا محض نگاہون کا دھوکا نظر آتا ہے
تسبیح کے ہین قربان زنار کے ہین صدقے　　دونون ہین مگر مجھکو پھندا نظر آتا ہے

دنیا نے محبت کی پالاش کوئی دیکھی،
مُنھ آج رودان تیرا اُترا نظر آتا ہے

اپنے وطن سے چھٹکر آوارہ پھر رہا ہون　　بانگِ غریب منزل نا محرم درا ہون
اک رسم عہد ماضی تازہ کیے ہون لیکن　　اسکی خبر نہین ہے مین کس کو پوجتا ہون
دنیا کی کیا شکایت خلقت کا کیا گلہ ہو　　اپنے کیے ہوئے کی بپتا بھگت رہا ہون
دیوانگی سمجھیے یا میری کم نگاہی　　اپنا نشان منزل غیرون سے پوچھتا ہون
میری جبین نازش اور آستان تونکا　　کچھ تو سمجھکے آخر سجدہ مین جھک گیا ہون
اسباب سوز ہستی کھلتے نہین ہین لیکن　　اک آگ ہے کہ جس سے ہر وقت پھنک رہا ہون
اللہ ری دلفریبی ایوان آرزو کی　　ہر منظر فنا کو باقی سمجھ رہا ہون
ڈھونڈھا کیا زمانہ لیکن مجھے نہ پایا　　کتنا سبک قدم ہون کیسا گریزپا ہون

آتا ہون فاصلے سے جاتا ہے دور مجھکو
دلچسپ تھے مناظر دم بھر ٹھہر گیا ہون

اب وہ ہر یگانہ سمجھتا نہین بیگانے کو　　بیخودی عین بصیرت ہے ترے دیوانے کو

مدتین گذری ہین اجڑے ہوئے دل کی بستی ۔۔۔ کوئی للہ بسا دے میرے ویرانے کو
لیکے کچھ صبح سے کچھ برق سے کچھ تارونسے ۔۔۔ جمع کرتا ہون مین بکھرے ہوئے افسانیکو
سنگ تربت سے نہ ہو میری ہوس کی تشہیر ۔۔۔ بے سبب طول نہ دینا مرے افسانے کو
اب بھی گلشن مین یونہی گوش برآواز ہین گل ۔۔۔ ہر سحر آتی ہے کہنے اُسی افسانیکو
ہاتھ سے ہونٹ لگا ہر تو کوئی دُور نہین ۔۔۔ ہر نفس پھر بھی اک افتاد ہے پیمانے کو
لے اوڑا کر یک شب تاب شعاع خورشید ۔۔۔ عبرت آموز ہے یہ شمع کے پروانے کو
عالم آشوب جنون جوش پہ ہے فصل بہار ۔۔۔ چھیڑنا ٹھیک نہین ایسے مین دیوانیکو
حسن مغرور مین ممکن نہین اصلاح فروغ ۔۔۔ کیا بھرے کوئی چھلکتے ہوے پیمانے کو
رات دن رقص مین رہتی ہین یہان دو پرِیان ۔۔۔ کوئی ویرانہ نہ سمجھے مرے ویرانے کو
فیض بیحد ہے ترا میری طلب بے پایان ۔۔۔ ساقی بزم ازل دیکھکے پیمانے کو

ہستی عالم امکان کی حقیقت معلوم
کون دوہرا لے رواں خواب کے افسانیکو

ہمیشہ گردش تاثیر سے زمانے کی ۔۔۔ بدلتی رہتی ہے سرخی مرے فسانے کی
مٹائے دیتے ہین بنیاد آشیانے کی ۔۔۔ فضول کون سہے سختیان زمانے کی
کہان مرا دل عاصی کہان وہ پاک نگاہ ۔۔۔ یہ تیر اور ہو قسمت مین اس نشانے کی

ارے مرے دلِ رنگین کے روندنے والے　　بچا بچا - کہ یہ تصویر ہے زمانے کی
سرِ نیاز جہان جُھک کے پھر کبھی نہ اُٹھے　　تلاش ہے مجھے اک ایسے آستانے کی
وہ عرضِ حال میں اشکون پہ معترض ہیں عبث　　مین کیا کرون یہی سرخی ہے اس فسانے کی
اسے نہ چشمِ حقارت سے دیکھ اے بُلبُل　　خزان کے ہاتھ ہے ترتیب آشیانے کی
فضول حسرتِ دنیا و دولتِ دنیا　　ازل سے مہر ہے قسمت پہ دانے دانے کی
ازل سے آئینہ بردار ہے دلِ شاعر　　نہان ہے شعر مین تاریخ ہر زمانے کی
چلے تو صفحہ ہستی کو بھی مٹا کے چلے　　ہمارے دم سے تھین تبدیلیان زمانے کی
چمن چمن نہ رہا جب تو ہمسے کیا مطلب　　قفس نصیب ہو یا شاخ آشیانے کی
بس ایک دورِ حیات و ممات جاری ہے　　نہ ابتدا ہے نہ کچھ انتہا فسانے کی
تباہ حریمِ حقیقت سے بولنے والے　　یہ ابتدا ہے کہ ہے انتہا فسانے کی
ازل سے محوِ سماعت ہے عالمِ کونین　　اور ابتدا بھی نہین ہو چکی فسانے کی

رواں چلو حرمِ خاصِ حُسن بھی دیکھین
بہت تو کر چکے سیر اس نگار خانے کی

گذرتے ہین مرے اوقات کیونکر دیکھتے جاؤ　　مناسب ہو تو حالِ قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ

اگر خوابِ جنونِ عشق کی تعبیر دیکھینگے
ترے دیوانے ہر ذرہ مین اک زنجیر دیکھینگے

جہانتک کوشش برباد کی تدبیر دیکھینگے
ہر اک تخریب مین ہم حسرتِ تعمیر دیکھینگے

ہزارون پھول مسکرا کے کلی صورت دکھاتی ہے
یہی قانون فطرت آپ عالمگیر دیکھینگے

کوئی آزاد ہستی بزم دنیا مین نہین ملتی
جسے دیکھینگے بس فریادیِ زنجیر دیکھینگے

یہی آئین فطرت ہے تو مرجانیکا غم کیسا
ابھی تخریب دیکھی ہے ابھی تعمیر دیکھینگے

تموج ہے عیان حسن ازل کا ذرہ ذرہ مین
شعاعِ مہر بھی ہوگی جہان تنویر دیکھینگے

عجب صورت سے عالمگیر ہے شیرازۂ ہستی
زمین سے آسمان تک ایک ہی زنجیر دیکھینگے

کتابِ دہر مین کوئی ورق سادہ نہین ملتا
ہر اک ذرہ مین آپ اک عالمِ تصویر دیکھینگے

محیط آسمان کو بھی جو پابندی سمجھتے ہین
وہ دیوانے غضب ڈھائینگے جب زنجیر دیکھینگے

فقط لفظی بنا ہے کفر و ایمان کے نہین قایل
فدا ہونگے حقایق کی جہان تصویر دیکھینگے

یقین جانو ابھی فصل بہاری کو بہت دن ہین
تماشا ئینگے روان جب خواب مین زنجیر دیکھینگے

انجام یہ ہوا ہے دلِ بیقرار کا
تھمتا نہین ہے پانون ہمارے غبار کا

پہلے کیا خیال نہ گل کا نہ خار کا
اب دیکھ رہا ہے پانون نسیم بہار کا

پیہم دیے وہ رنج کہ انسان بنا دیا
منت پذیر ہون ستمِ روزگار کا

اسکو خزاں کے آنیکا کیا رنج کیا قلق — روتے کٹا ہو جسکو زمانہ بہار کا
مخفی ہے اس مین رازِ بقائے حیاتِ عشق — کیا پوچھتے ہو حالِ دلِ بیقرار کا
مجبوریانِ ستم ہین وگرنہ خدا کی شان — مین اور یون گذار دون موسم بہار کا
غافل نگاہِ ہوش سے رنگِ چمن کو دیکھ — پروردۂ خزاں ہے زمانہ بہار کا

نکلا ہے دمِ روان کا تمنا کے ساتھ ساتھ
اللہ رے زورِ نالۂ بے اختیار کا

کچھ عجب روداد ہے انسان کی روداد بھی ؛ — سوا سیرون کا اسیر آزاد کا آزاد بھی ؛
ہنس رہا ہون غنچہ سان اپنا گریبان پھاڑ کر — کچھ عجب نعمت ہے زعم کوششِ برباد بھی
آج اس انداز سے نالے اسیرون نے کیے — باغبان تو باغبان تھے رو دیے صیاد بھی
داستانِ شوکتِ ماضی سے کچھ حاصل نہین — خود اگر کچھ ہون تو چھیڑین قصۂ اجداد بھی
ذرہ ذرہ ہے جہانِ آرزو کا بے ثبات — کاوشِ تعمیر واجب ہے، جو ہو بنیاد بھی
حشر کیا ہے اک دلِ معذور کا احساسِ غم — مین تو مین ہون منتشر ہے عالمِ ایجاد بھی
ہمنوا کوئی ترانہ سازِ خودداری کا چھیڑ — ہو رہیگی یونہی شرحِ عالمِ ایجاد بھی
سجدۂ شکرانہ کر اے دل کسی کا کیا گلہ — آج اسیرون مین ہین کل ہو جائینگے آزاد بھی
باغِ عالم منظرِ فیض و تحمل ہی نہین — عام ہے رنگِ جراحتکاریِ بیداد بھی

جگمگا اٹھتی ہے فطرت لہلہا اٹھتے ہین دل　　کچھ عجب ہے جہان مین حسن آدمزاد بھی

زلزلے مین ہے زمین جنبش مین ساتون آسمان　　کی نہین دل نے ابھی ایسی کوئی فریاد بھی

خود مرے اعمال ہین لب پر مرے مہر سکوت　　شکر جان کرتا تو کرتا شکوۂ بیداد بھی

پوچھتے ہین ہمصفیر دلسے یہ کہکر ہمصفیر
اس چمن مین تھا رواں اک آشیان برباد تھی

رواں کسکو خبر عنوانِ آغازِ جہان کیا تھا　　زمین کا کیا تھا نقشہ اور رنگ آسمان کیا تھا

یہی ہستی ابھی ہستی کے کچھ ٹوٹے ہوئے رشتے　　وگرنہ ایسا پردہ میرے انکی درمیان کیا تھا

ترا بخشا ہوا دل اور دل کی یہ ہوسکاری　　میرا اسمین قصور اے دستگیرِ عاصیان کیا تھا

اگر کچھ روز زندہ رہ کے مرجانا مقدر ہے　　تو اس دنیا مین آخر باعثِ تخلیقِ جان کیا تھا

ہم اتنے فاصلے پر آگئے ہین عہدِ ماضی سے　　خبر یہ بھی نہین اجداد کا نام و نشان کیا تھا

کسی برقِ تجلیٰ پر ذرا سا غور کر لیتا
اگر یہ جاننا ہو عالمِ روحِ رواں کیا تھا

نہ پایا فایدہ جب کچھ غمِ دنیا کے چکر مین　　متاعِ ہر دو عالم غرق کر دی مین نے ساغر مین

تڑپتی پھرتی ہے اک برقِ عرفان سیکدے بھر مین　　کبھی مینا مین خم سے اور کبھی مینا سے ساغر مین

طلوعِ صبح نے دنیا کی حالت اور ہی کر دی　　بدل جاتی ہے مٹی جیسے دستِ کیمیا گر مین

قفس کے ہمنوائیں بھی باہم پھوٹ پیدا ہے — نہ جانے کیا لکھا ہے ہم اسیرونکے مقدر مین
شعاع نورِ ایمان دل تک آتے دیر لگتی ہے — بڑی دشوار یونسے روشنی ہوتی ہے اس گھر مین

فنا ہوکر بھی ذرے خاک کے پرواز کرتے ہین
رواں یہ قوتِ نشو و نما تھی میرے پیکر مین

جنونِ عشق - کہ عقل شکستہ پر نہ سہی — خرد کا زعم کہ پرواز ہے اثر نہ سہی
جو دل مین ہے وہ نہ باہر ہو جلوہ گر نہ سہی — مظاہرات نہون ایک رنگ پر نہ سہی
ازل سے شان تعیّن جہان مین قائم ہے — نہین ہے جذب محبت مین یہ اثر نہ سہی
مقدرات وہی ہین تو لفظ کیا معنی — غبار راہ سہی - خاک رہگذر نہ سہی
رہِ وفا مین ہے ہر گام منزلِ مقصود — اگر نہین ہے کوئی اپنا راہبر نہ سہی
یہ جان جسکی امانت تھی نذر کی اُسکو — نہ کامیاب ہوئی سعی چارہ گر نہ سہی
گلہ فضول ہے طولِ شبِ جدائی کا — بہت سی راتین ہوئین ایک کی سحر نہ سہی
فنا نصیب کو کیا ہوش و بیخودی سے غرض — غم قیام سہی خطرۂ سفر نہ سہی
حیات تلخ کہی عیش خوشگوار کجا — نہین نصیب قرار دل و جگر نہ سہی
سرورِ نفس کی خاطر تو دل کو صاف رکھو — نہین اگر کوئی انجام خیر و شر نہ سہی

یہ کہکے ہوگیا پروانہ شمع پر قربان　　وصال شعلہ تو ہے لطف بال و پر نہ سہی
ذرا کمی تو کرے شام کی ادا سی ہیں　　چراغ گور نہ دے ساتھ رات بھر نہ سہی

روان غریب کی اہل وطن کو کیا پروا
سمجھ لیا ہے کہ اک نقش رہگذر نہ سہی

مضطرب ہے قلب انسان چشم حیرت باز ہے　　راز تھی روز ازل دنیا ابھی تک راز ہے
بلبل بستان فطرت یون نوا پرواز ہے　　حسن کا معصوم رہنا عشق کا اعجاز ہے
بزم جان مین نغمۂ ہستی کا یہ انداز ہے　　ساز کہتی ہے جسے دنیا شکست ساز ہے
نیم شب دنیا کا سناٹا یہ تارونکا سکوت　　جیسے بزم آرائے فطرت محو خواب ناز ہے
پڑ رہی ہے کس حسین کے روئے انور کی ضیا　　ذرہ ذرہ خلق کا سرگرم سوز و ساز ہے
اقربا یہ کہکے مجھ کو قبر تک پہونچا گئے　　آگئے اب خلوت نشینونکی حریم راز ہے
نازش عالم کو اتنا بھی علاقہ کم نہین　　ختم ہوتی ہے جہان ہستی ترا آغاز ہے
سن چکے جب سننے والے ہنسنے والے ہنس چکے　　اب ہماری داستان درد کا آغاز ہے
توڑ دیتی ہے جو اکثر سنگ و آہن کے جگر　　وہ فقط ٹوٹے دلونکی دکھ بھری آواز ہے
اک فقط دھوکا ہی دھوکا ہے حیات و موت کا　　ورنہ کچھ انجام الفت ہے نہ کچھ آغاز ہے
دل کھنچے جاتے ہین روحین ہو رہی ہین مضطرب　　آپ کی آواز بھی آواز سی آواز ہے

مین تحیر آشنا ہون مجھکو کیا معلوم تھا
راز کا پردہ مین رہنا ہی کشود راز ہے

ہم کو اے صیاد تو چشم حقارت سے نہ دیکھ
بے پر و بالی ہماری مایۂ پرواز ہے

گردشِ پرکار لکھی ہے مقدر مین رواں
نقطۂ انجام ہستی سرحد آغاز ہے

اِدھر پردہ رخِ روشن سے اُسکے دور ہو جانا
اودھر اہل نظر کے شیشۂ دل چور ہو جانا

فضا کا دفعتاً اک نور سے معمور ہو جانا
اسی کا نام ہے صبح شب مہجور ہو جانا

ہنسینگے مجھ پہ کیا دلدادۂ ذوقِ تن آسانی
سرور دائمی ہے رنج کا رنجور ہو جانا

کہون کیا کسطرح ناکامیون مین زندگی گذری
قیامت ہے کسی انسان کا مجبور ہو جانا

طریقے امتحانگاہِ محبت کے نرالے ہین
کہ راہِ قرب ہے راہ وفا مین دور ہو جانا

خدا جانے وہان منظور ہو کر کیا سعادت ہو
جہانسے فخر کا باعث ہے نا منظور ہو جانا

میرا دل اور کسی کی آستان بوسی معاذ اللہ
نہ دکھلائے خدا دشمن کو بھی معذور ہو جانا

دوا کیسی کہان کا مرہمِ چاک جگر ناصح
شفا ہے عشق مین ہر زخم کا ناسور ہو جانا

بھلا ہنگامۂ دار و رسن کی کیا شکایت ہو
یونہی منصور کی قسمت مین تھا منصور ہو جانا

مجھے آنکھون نے اوجھل کرنے والے اتنا بتلائے
کہ کیا امکان مین ہے میرے دل سے دور ہو جانا

سیاہی اُس سے بڑھ جاتی ہے کچھ گور غریبان کی
جسے خلقت سمجھتی ہے فروغ نور ہو جانا

نہو توفیق کاوش قلب کو تو یہ غنیمت ہے — زبان بے صوت ہو جانا نگہ بے نور ہو جانا
اسی کا نام ہے جینا اسی کا نام ہو مرنا — ادائے فرض انسان تا حدِ مقدور ہو جانا
رواں ایسے اسیروں کو خزاں کیا فصلِ گل کیا ہے
لکھا ہے جنکی قسمت مین چمن سے دور ہو جانا

نار و جنت کا قضیہ اک خیال خام تھا — تابعِ فرمان ترا انسان کا جب ہر کام تھا
منھ سے کچھ کہتا تو بیشک قابلِ الزام تھا — سانس لینا تھا کہ رازِ عشق طشت از بام تھا
رکھدیا ہمت نے بڑھکر حدِ منزل پر قدم — ہیں ابھی شکوہ طرازِ گردشِ ایام تھا
ہمسے پوچھو لذت تکلیفِ دردِ انتظار — ہر نفس اک مرگ شیریں کا نیا پیغام تھا
آفریں اسکو کہ جسنے زندگی کی نذر دوست — ورنہ خالی جان دیدینا بھی کوئی کام تھا
ناخنِ ہمت شکستہ اور گرہ صبر آزما — زندگی کیا چیز تھی اور موت کسکا نام تھا
دوست کا شکوہ نہ دشمن کی شکایت ہے مجھے — جسکے ہاتھوں مین لٹا میرا دلِ خودکام تھا
اب چمن مین رہکے بھی لطفِ چمن حاصل نہین — ہان مگر جب تک قفس مین تھے قفس بدنام تھا
یہ شگوفہ دیکھکر ہنستے تھے کل گلشن مین گل — صید تھے آزاد اور صیاد اسیرِ دام تھا
تیرے مطلب کے تصدق تیرے مقصد کے نثار — حکم نظمِ آفرینش اذنِ قتلِ عام تھا
جنبشِ برگِ شجر سے تا بہ طوفانِ حیات — ایک ہی پیغامبر تھا ایک ہی پیغام تھا

آرزوے زندگی تھی باعثِ تکلیفِ جان | یہ خلش مٹتی تو پھر آرام ہی آرام تھا

اب یہ ممکن ہے کہ ہو جائے رواں مقبول دوست

آج وہ بھی مٹ گیا جینے کا جو الزام تھا

لہو میں ڈوب کر نکلی ہے دل سے یہ فغاں سن لے | مددگارِ غریباں دستگیرِ بیکساں سن لے

سنے ہونگے ہزاروں قصہ ہائے درد و غم تو نے | خداوندا کبھی مجھ سے کبھی میری داستاں سن لے

کوئی تو آخرش فریادرس ہو ہم غریبوں کا | زمیں والے نہیں سنتے تو ہی اے آسماں سن لے

کہو آہستہ رکھیں زخمِ دل پر چارہ گر مرہم | قیامت ہو اگر یہ حالِ مضحک میہماں سن لے

سنا ہے سننے والے درد کی آواز سنتے ہیں | نہ کر یہ اضطرابِ قلب میرا رائیگاں سن لے

چمن سے دور لیجا کر مجھے صیاد دفنانا | کہیں ایسا نہ ہو میرا رفیقِ آشیاں سن لے

میں گھٹ کر جان تک دیدوں تو کوئی ہچکی نہ پیدا ہو

جو منھ سے اُف نکل جائے ابھی سارا جہاں سن لے

متفرقات

مجھے جو کلفتیں اے ہمنشین جینے مین ہوتی ہین ۔۔۔ وہ مرنے مین نہوتی ہونگی ہرگز مرنے والون کو

یہ مانا ترک بھی کردون مین سارے بزم کے سامان ۔۔۔ کہان لیجاؤن مین اپنے سے دُور اپنے خیالون کو

آگے اپنی اپنی کوشش اپنا اپنا انتخاب ۔۔۔ ورنہ ہر صحرا مین جو پھول گلشن میں نہین

اُف یہ ہجوم کلفت سوزِ غمِ نہانی ۔۔۔ ممکن ہے ختم کر دے اک روز زندگانی

دیکھنے قابل میرا حالِ دلِ شیدا نہ تھا ۔۔۔ اور یہ جب کا ذکر ہے جب حُسن بےپردا نہ تھا

تیرے کوچے مین رواں سینہ فگار آتا ہے ۔۔۔ اے کماندار خبردار شکار آتا ہے

عنایت کی نظر ان پر جنہین الفت نہین مجھسے ۔۔۔ جفا کی مشق ہم پر ہے جو تم پر جان دیتے ہین

ہزارون شکوہ ہاے بیجا یاد ہین لیکن — تمھین جب دیکھ لیتا ہون تو بالکل بھول جاتا ہون

کسی کی چتونین شرماتی ہونگی آکے محفل مین — تمھاری چتونین محفل مین آکر تیز ہوتی ہین

کنکھیون سے بھی جسکا دیکھنا وجہ مسرت ہو — نظر بھر کر اگر وہ دیکھ لے تو کیا قیامت ہو

کبھی ہے ترچھی چتون اور کبھی غصہ بھری آنکھین — اگر اک دن عنایت کی نظر کرتے تو کیا ہوتا

نگاہ کور سے پنہان ہے مہر بھی ورنہ — ہر ایک ذرۂ ناچیز مہر تابان ہے

بہت دنون مین ہوا ہے یہ فیصلہ دلکا — کہ آج چلکے چکا لین معاملہ دل کا

گذرتے ہین میرے اوقات کیونکر دیکھتے جاؤ — مناسب ہو تو حال قلب مضطر دیکھتے جاؤ

صدقے کر ہی جان بھی تیر مژہ پر دلکے ساتھ — ہم وہ بسمل ہین کہ احسان کرتے ہین قاتل کیساتھ

قَطعات

تو ملے گر تو مرا شوق ہو محدودِ جمال — اور شرمندۂ دیدار ہو صورت تیری
یہ نہ ملنا بھی عنایت سے نہین ہے خالی — کہ نہ پابندِ طریقت ہو حقیقت تیری

نعرۂ موج سے دریا کے یہ آتی ہے صدا — مین سمندر سے ملون ملکے سمندر بنجاؤن
کشت و اشجار کی مدت ہوئی خدمت کرتے — یہ تمنا تھی کہ مین ان کا مقدر بنجاؤن
سعیٔ بے سود مین ضایع ہوئی اوقات عزیز — اور یہ ممکن نہ ہوا مین کوئی پیکر بنجاؤن
ساحل و دشت نہین چھوڑتے دامن میرا — کیا یہ ہونا ہے کہ مین اُنکے برابر بنجاؤن
مین ہون جس جوہرِ پُرنور کا اک جزوِ ضعیف — حاصلِ زیست یہ ہے مین بھی جوہر بنجاؤن

کس لئے توڑتے ہو آس وصالِ یار کی — عقدہ کشائے اہلِ دل اور نہین قضا تو ہے
وجہ سکونِ قلبِ زار ہے یہ خیال اے قرآن — وہ نہ ملے نہین سہی ملنے کا آسرا تو ہے

مین جو کہتا ہون کہ موت آئے تو مر جانے دو — اس تخیل کی حقیقت مجھے تبلانے دو
اصل یہ ہے کہ مرا دل ہے غمِ دہر سے چور — اور اتنا کہ نہین اب مجھے جینا منظور
دوسرے کوششِ ضایع سے ہون ایسا مایوس — کہ کسی کام مین راحت نہین ہوتی محسوس

تیسرے اب عقیدہ مرے ایمان کا ہے — موت بہتر ہے کہ انجام ہر انسان کا ہے

جواہر ہیں محبت۔ راستی انصاف یہ مانا — مآل زندگی ان سب کو بتلاتا ہے ہر دانا
مگر اے حضرت ناصح عجب کافر مرا دل ہو — یہ کہتا ہو کہ حکم آسان ہو تعمیل مشکل ہے

قدرت نے دل کو مرجع عرفان بنا دیا — ہر خار زار کو چمنستان بنا دیا
کیا جلد طے ہوئی ہیں ترقی کی منزلیں — آزادیٔ خیال نے انسان بنا دیا

آپ طیار ہیں کرنے کو ہر اک پر احساں — شرط یہ ہو کہ کوئی آپ کا نقصان نہ ہو
مجھ کو رحم آتا ہو اس عہد کے شیکوں پہ رواں — اتنا گمراہ وفا بھی کوئی انسان نہ ہو

کہا بلبل نے صحن بوستاں میں — نہ خود گم کردہ مجھ سا جہاں میں
بظاہر گو مقیم بوستاں ہوں — نشاط اندوز لطف گلستاں ہوں
ستاتے ہیں یہ سامان دل لگی کے — رولاتے ہیں مجھے نغمے خوشی کے
جسے سمجھے ہیں نغمے باغ والے — یہ میرے دل کے ہیں جانکاہ نالے

پریشان کن خم سنبل ہے مجھکو	پیام مرگ بوئے گل ہے مجھکو
نشیمن مین نظر کرتا ہے یہ دل	تماشائے فریب سعی باطل
نظر کرتا ہون جب گلشن مین ہر سو	چھلک آتے ہین چشم دل مین آنسو
ہمیشہ دل کو ہے تاکید ماتم	تبسم ہے مرا تمہید ماتم
اسیر فکر آزادی ہون مین بھی	فنائے خوف بربادی ہون مین بھی
سوا ماتم سے یہ خرسندیان ہین	مری دلبندیان پابندیان ہین
یہ ہے المختصر اسرار دنیا	کہ دنیا ہیچ باطل کار دنیا

ترجمہ

لٹ گیا اسباب عشرت پر خطر ہین سر زمین	اے گرفتار غلامی دیکھ اب تو سر اوٹھا
اُف مری غفلت کہ اب بھی محو آسایش ہو تین	بزم فطرت سے یہ آتی ہے صدا خنجر اوٹھا

ہوس ہی آدمی کی دشمن اقبال ایمان ہے	ہوس ہی سے یہ خارستان دنیا اک گلستان ہے
یہین پر آرزوئین دفن ہین اور حسرتین زندہ	ہمارے دل کی بستی عالم گور غریبان ہے

دماغ ملک کا احساس گر بیدار ہو جائے	قرین مصلحت ہر غافل و ہشیار ہو جائے

پھنسی ہے آکے گردابِ فنا مین قوم کی کشتی — کوئی تدبیر کر یارب کہ بیڑا پار ہو جائے

جہانِ عشق مین ہیو شیون کی انتہا جو ہے — وہین سے عالمِ عقل و خرد کی ابتدا سمجھو
علاج درد کا جب تک دلِ غافل رہے طالب — وہی حد ہے کہ جبتک تم مرض کو لادوا سمجھو

مری قسمت مری دنیا کو زندان کرکے چھوڑیگی — یہ ہر اک پھول کو خارِ مغیلان کرکے چھوڑیگی
کہان وہ حسنِ معصوم اور کہان تردامنی دلکی — مری ہمت مجھے اکدن پشیمان کرکے چھوڑیگی

مجھے اکسیر میری آہ سوزان کرکے چھوڑیگی — قناعت میری دردِ دل کو درمان کرکے چھوڑیگی
تہیہ ہے کہ اب یا مین رہون یا کفر کمزوری — عقیدت ورنہ بے دینی کو ایمان کرکے چھوڑیگی

مین اُنکے ظلم پر فریاد کیا اُف تک نہین کرتا — وہ نادان ہین جو اسکو میری کمزوری سمجھتے ہین
جفا پر فخر انکو ہے وفا پر اپنی مین نازان — وہ اپنی کامیابی فتح ہم اپنی سمجھتے ہین

وہ اک کمزور لمحہ جب کہ دل شیدائے عصیان تھا — خلل تھا عقل مین اور دلمین زہر آلود پیکان تھا

تعجب خیز ہین ابتک یہ حسن و عشق کے رشتے　　مدار زیست تھا جو فی الحقیقت دشمن جان تھا

بے راہ جنگلون مین بیابان مین خوشی سے　　طوفان آب مین ہین اسباب دلگی کے
بادل کی گھن گرج مین ہی لذت ترنم +　　بجلی کی بیکلی مین آثار ہین ہنسی کے
یہ ابر و باد و باران صحرا و کوہ و دریا +　　فطرت کے خاندان مین رشتے ہین آدمی کے
قدرت ہے اور مین ہون خلوت ہی اور دل ہی　　راحت ہی انجمن کی ۔ قربان بیکسی کے
اے کاش کہہ سکو مین جو کچھ ہی دل مین میرے　　کیفیتین خودی کی ۔ اسرار بیخودی کے
فطرت کا ہو رہون مین ۔ فطرت کو اپنا کر لون　　یہ ہو سکے تو حاصل ہون لطف زندگی کے

جسے سب کہتے ہین راحت وہ محض اک حالت دل ہی　　نہ ظاہر ہی نہ مخفی ہی نہ آسان ہی نہ مشکل ہی
ہنسی کے ساتھ آنکھون مین چھلک آتے ہین آنسو بھی　　کہ ہر راحت کے ساتھ اک اجزائے غم بھی شامل ہی
طلب راحت کی کرتا ہی دل نادان ہر لیکن　　مین پابند مقید ہون وہ اس نکتہ سے غافل ہی
کہان کا رنج و غم اور کیسی راحت اے دل غافل　　یہ محض اک فکر لاحاصل وہ محض اک غم باطل ہی
مرے ساقی ہٹانا اب نہ نظرین میری نظرون سے　　تری آنکھون مین مجھکو راحت کونین حاصل ہی
کسے کہتے ہین راحت یہ خبر صلا نہین پھر بھی　　یہی جینے کا حاصل ہی یہی مرنیکا حاصل ہی

نشیمن بوستانِ دہر میں ہے مرغِ راحت کا
وہ راحت ہی نہیں جو عالمِ سفلی میں حاصل ہے

کبھی سیرابِ راحت ہوں کبھی نایاب ہے راحت
ہر آسانی سے آسان ہے ہر اک مشکل سے مشکل ہے

زمانہ خوش ہے اور دل کو مرے راحت نہیں ملتی
نہ میں دنیا کے قابل ہوں نہ دنیا میرے قابل ہے

کوئی شیدائے راحت ہے کوئی راحت سے مستغنی
یہ محفل کیسی دنیا ہے یہ دنیا کیسی محفل ہے

وہی میں ہوں وہی دنیا مگر راحت ترے صدقے
کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے

روان راحت ملی تو لیکن اب دل کا یہ عالم ہے
نہ خاموشی کا امکان ہے نہ کچھ کہنے کے قابل ہے

اگر غایت یہی تھی ہستیِ انسان کی فطرت سے
تو باز آیا میں ایسی زیست ایسی آدمیت سے

خرد سی جنسِ ضائع بیمحل صرفِ زبان کرنا
سحر سے شام تک اوقات ناحق رائگان کرنا

گھرا رہتا ہے گر ہر وقت تاریکیِ عصیاں میں
تو پھر کیا فرق ہے آخر بہائم اور انسان میں

عطا کی قوتِ ادراک و فہم و عقل قدرت نے
کیا ہے آدمی کو ہر طرح ممتاز فطرت نے

یقیناً وسعتِ امکانِ انسانی یہاں تک ہے
کہ میدانِ عمل اسکا زمیں سے آسمان تک ہے

ہم اپنی قوتوں سے کام لیں یا رائگاں کردیں
زمیں کو خواہ دوزخ خواہ گلزارِ جناں کردیں

رباعیات

حرص و ہوس حیات فانی نہ گئی
اِس دل سے ہوائے کامرانی نہ گئی
ہے سنگ مزار پہ ترا نام یزداں
مر کر بھی امید زندگانی نہ گئی

آلودہ معصیت سے دامن میرا
جلجانے کا مستحق ہے خرمن میرا
بیکار ہے شکوہ اہل دنیا کا یزداں
بڑھکر نہیں کوئی مجھسے دشمن میرا

اُف اے دلِ مضطرب حالت تیری
پیچیدہ ہے کس قدر حقیقت تیری
مرکز ہے امید و حسرت و یاس کا تو
روُ دیتا ہوں دیکھکر مصیبت تیری

حسرت نہ رہی کہ یاس و کلفت نہ رہی
کیا کیا دلِ بوالہوس پہ آفت نہ رہی
اب حاصلِ آرزو ملا بھی تو کیا
جب قلب میں قوتِ محبت نہ رہی

تدبیر پہ منحصر نہ اوقات پہ ہے
انجام عمل خدا ہی کی ذات پہ ہے
یہ کوشش نامراد کہتی ہے رواں
تقدیر کی راہ اتفاقات پہ ہے

برعکس امیدوں کے نتیجے میں یہاں
یہ کوشش نامراد کہتی ہے رواں
اعضائے عمل تھکے ہیں شل ہے تدبیر
مجبور ہے کتنا کتنا بے بس انساں

شیریں نغموں سے آشنا ہیں لب و گوش
تفریح جو اس سے ہی دل بھی مدہوش
اے مایۂ حسن پھر سنا دے مجھکو
چشم گویا کی اک نوائے خاموش

کرتا ہوں کچھ ایسی سعی امکان حیات
گویا بس میں ہے میرے دوران حیات
ڈرتا ہوں چھوڑانہ دے کہیں اوسے اجل
جو مایۂ زندگی ہیں سامان حیات

مانا کاوش تھی کاوش غم تو نہ تھی
گریہ بھی تھا مگر نوائے ماتم تو نہ تھی
بچپن میں جو بات تھی جوانی میں کہاں
خندہ بھی تھا فغان پیہم تو نہ تھی

دنیا سو سو طرح سے بہلاتی ہے
سامان خوشی سے روح گھبراتی ہے
اب فکر فنا نے کھول دی ہیں آنکھیں
کلفت ہر بات میں نظر آتی ہے

مخفی کوئی کوئی بڑا بلا دشمن ہے
ظالم دنیا کی ہر ادا دشمن ہے
کھچتا جاتا ہوں ہٹ کے راہ نیکی سے رواں
جلاد ضمیر جان کا دشمن ہے

آزاد ضمیر ہو فقیری یہ ہے
دل ہے بے پروا نہ امیری یہ ہے
زنجیر بنی ہے باعث قید رواں
محدود ہے خیال اسیری یہ ہے

دل! مائل گریہ کیلیے ہوتا ہے
کیون بے سبب آنسوؤن سے منھ دھوتا ہے
لاحل نہین عقدۂ صعوبات جہان
جب موت یقینی ہے تو کیون روتا ہے

یہ روح نہ بند غم سے آزاد ہوئی
دم بھر بھی نہ طبع آرزو شاد ہوئی
خالی نہ رہی ہمارے دل کی بستی
امید گئی تو یاس آباد ہوئی

اخلاق کی اک محک ہے غربت میری
ہے ظرف کا امتحان دولت میری
مصروف تمام عمر کاوش میں رہا
مجھ پر بھی نہ کچھ کھلی حقیقت میری

سرمایہ انتشار شیرازہ خلق
سرتا بقدم فضول اندازہ خلق
تعمیر غلط ہے سنگ بنیاد غلط
اک موجب گمرہی ہے آوازہ خلق

مشغول رہے نفس غنیمت یہ ہے
مصروف رہے خیال عصمت یہ ہے
دیں کسکا قصور کسکو ملزم ٹھہرائیں
انسان کمزور ہے حقیقت یہ ہے

کل کہتے تھے جسکو دل کی راحت یہ ہے
ہے آج جدا وہ کیا قیامت یہ ہے
یہ جانتے بھی کہ موت سر پر ہے کھڑی
انسان ہے محو عیش حیرت یہ ہے

انجام کی فکر ہو تو عشرت یہ ہے
جان صرف وفا رہے ریاضت یہ ہے
زاہد سے کہو نماز روزہ بے سود
دل خوف خدا کرے عبادت یہ ہے

ہے چشم خواہش کور آفت یہ ہے
ہم راہ روؤں کو رنج غربت یہ ہے
آئے ہیں کہاں سے اور جانا ہے کہاں
اسکی بھی خبر نہیں مصیبت یہ ہے

دھوکے میں جہاں کا ہر بنی آدم ہے
عنوان خوشی بھی سرخیِ ماتم ہے
یہ فیصلۂ نگاہ عبرت ہے رواں
عشرت کدۂ جہاں میں غم ہی غم ہے

کیا تم سے بتائیں عمر فانی کیا تھی
بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی
یہ گل کی مہک تھی وہ ہوا کا جھونکا
اک موج فنا تھی زندگانی کیا تھی

اُف باغِ اُمید کے نمو کی تاثیر
پتّے پتّے کے رنگ و بو کی تاثیر
کانٹوں میں بھی دلکشی گلوں کی سی ہے
اللہ رے فریبِ آرزو کی تاثیر

ہے معجزۂ حیات اُمیدِ حیات
ہے لطف و غمِ زمانہ تنقیدِ حیات
ہیں جان کے ساتھ آرزوئیں بھی رواں
بیشک ہوتی ہے اتنی تائیدِ حیات

ذی روح کا ہر نفس ہے تائید حیات
فطرت کرتی ہے سب کو تاکید حیات
ہے فکر حیات رونق بزم جہاں
دنیا ہے حیات امید خورشید حیات

جو خاک کو چھو کے کیمیا کرتے ہیں
آج آنسوؤں سے عرض مدعا کرتے ہیں
مایوس رہے تو یہ کہے گی دنیا
ایسے کمبخت کم ہوا کرتے ہیں

برداشت نہیں غمِ تنہائی ہم سے
اُٹھتا نہیں بارِ زندگانی ہم سے
کچھ ایسی ہی بات ہے کہ بیزار ہیں اب
ہم اپنی جوانی سے جوانی ہم سے

اسبابِ جہاں سے دل کو بہلائیں ہم
اس طرح کا دل بھلا کہاں پائیں ہم
خلوت میں بھی حیف دل کو ایذا ہی وہی
اب اپنے سے بھاگ کر کہاں جائیں ہم

رکھتے ہیں شریک جام جم کی تاثیر
مرغوب ہے میرے دل کو غم کی تاثیر
وجہ تکمیل نوع انسانی ہے
اللہ اللہ رے الم کی تاثیر

پندار سے اپنے سوگوار آیا ہوں
اعمال سے اپنے شرمسار آیا ہوں
اے بخشنے والے سب گنہگاروں کے
مایوس نہ کر امیدوار آیا ہوں

مضطر آیا ہوں بیقرار آیا ہوں
اپنی ہی نظر میں ہو کے خوار آیا ہوں
بخشش کی نہ دیکھوں کیسے رحمت تیری
ہشیار کہ میں گناہگار آیا ہوں

ہے صفحۂ فطرت اک نصاب تعلیم
واجب ہے ہمیشہ انتخاب تعلیم
دانا کے لیے کتاب ہستی میں رواں
انسان ہے انسان کا ہی باب تعلیم

دنیا سے نرالے مشغلے میرے ہیں
جو اوروں کے غم میں ولولے میرے ہیں
عالم پہ محیط ہے میرا سوز دروں
تارے بھی دل کے آبلے میرے ہیں

تخریب حیات میں ہے تعمیر حیات
ہے باعث انحطاط تدبیر حیات
شیرازۂ دو جہاں ہے تشریح فنا
کڑیاں لاکھوں میں ایک زنجیر حیات

پابندیٔ جان و دل ہے زنجیر حیات
اللہ اللہ رہی فکر توقیر حیات
آغاز کی کچھ خبر نہ انجام کا علم
کونین سے پھر بھی محو تدبیر حیات

فانی ہی جہان یہ کچھ عجب بات نہیں
پابند بقا کسی کے اوقات نہیں
کہتے ہیں یہ آدمی کے اطوار رواں
اعمال دلیل اعتقادات نہیں

آسانیِ زندگی کو مشکل سمجھو
ذمیرِ فتح کے ہر نفس کو منزل سمجھو
تفریحِ حواس و روح نغمے میں نہیں
غم کو وجہِ فراغتِ دل سمجھو

آئینۂ اضطرابِ دل ہے دنیا
ظاہر میں اگرچہ پابگل ہے دنیا
ہر وقت گریز پا ہے نیرنگِ نمود
کہتا ہے یہ کون مستقل ہے دنیا

جب زندہ دلوں کو زندہ دل ہے دنیا
اور مضمحلوں کو مضمحل ہے دنیا
ترتیب دیا ہے دل نے یہ نکتہ خاص
ہم سب فانی ہیں مستقل ہے دنیا

مضبوط مکان اگر ہوا مکان رہے
اس نکتہ کا بھی مگر ذرا دھیان رہے
جب ہم نہ رہے تو ہم سے مطلب کیا ہے
دنیا آباد خواہ ویران رہے

امکانِ عمل کی دستگیری کے نثار
اے روحِ رواں تری فقیری کے نثار
زنجیر ہے اور پاؤں غائب میں رواں
اس آزادی کے اس اسیری کے نثار

دشمن بھی ہے دوست بھی محبت تیری
آئینۂ آرزو ہے الفت تیری
ہر سانس ہے ایک مرگِ شیریں کا پیام
اُف لذتِ انتظار اذیت تیری

ہر ظلم کو اک وفا سمجھتے ہیں ہم
ہر لطف کو اک بلا سمجھتے ہیں ہم
مایوس میں ایسا زندگانی ہے رواں
ہر درد کو اک دوا سمجھتے ہیں ہم

ہر یاس کو مدعا سمجھتے ہیں ہم
ہر سجدہ کو اک ریا سمجھتے ہیں ہم
کیسا بتخانہ اور کعبہ کیسا
ہر ذرہ کو جب خدا سمجھتے ہیں ہم

اللہ رے سرور بدمست رندانہ
اللہ رے نور جلوۂ جانانہ
آنکھیں جو کھلیں تو ہر گہ میں دیکھا
کعبہ اک سمت اک طرف بتخانہ

ظلمت نہ ہو گر تو نور اجالا نہ بنے
صحرا نہ اگر بنے تو دریا نہ بنے
حق یہ ہے کہ بس عقل مختل ہی رواں
اور یوں نہ کوئی بیوقوف فرزانہ بنے

مذہب فقط اک موسم ہے ایمان نہیں
باب ایمان کا کوئی عنوان نہیں
نیکی کرنا تو بہت مشکل ہے روان
بندہ کے لیے گنہ بھی آسان نہیں

جتنا بے ہوش تر ہوں دانا تر ہوں
جتنا مشہور تر ہوں رسوا تر ہوں
اے میرے مٹانے والے معلوم نہیں
میں ہستی و نیستی سے بالا تر ہوں

خوگردہ شہر بھی ہیں صحرائی بھی
یہ تمایت ہے ہیں اور مینائی بھی
ویرانہ دل کو کر لیا ہے آباد
کتنے دانا ہیں تیرے سودائی بھی

نالوں میں جگر جگر میں نالہ بھی نہیں
انجام یہ ہے در اثر وا بھی نہیں
ہر ذرہ خاک نجد کہتا ہے رواں
وہ قیس بھی اب نہیں وہ لیلیٰ بھی نہیں

کرتے ہوں جو دوست دل سے الفت میری
للہ کریں نہ وہ حمایت میری
کیوں ہو کے شریک لطف غم کھوتے ہیں
بخشیں مرے لیے مصیبت میری

غم کی عظمت کسی کو معلوم نہیں
راز فطرت کسی کو معلوم نہیں
ہست محو خیال اہل دنیا ہیں رواں
اپنی قیمت کسی کو معلوم نہیں

دنیا کی صفت کسی کو معلوم نہیں
قدر نعمت کسی کو معلوم نہیں
دوزخ تو ہزار دیکھتے ہیں لیکن
حال جنت کسی کو معلوم نہیں

توصیف صفت کسی کو معلوم نہیں
اُسکی غایت کسی کو معلوم نہیں
عالم ہے اسیر دام نیرنگ نمود
اصلی حالت کسی کو معلوم نہیں

دنیا جو نہیں فضا سے بالا بھی نہیں
ذرہ جو نہیں تو کوہ و صحرا بھی نہیں
اپنے ہستی سے بے نوا یہ سننے والے
قطرہ جو نہیں تو موج و دریا بھی نہیں

گر رنگ نہیں تو سطح دریا بھی نہیں
جوہر جو نہیں تو محض دھوکا بھی نہیں
یہ تو نہیں کہہ سکینگے کیا ہے دنیا
جو کچھ دل کہہ رہا ہے ایسا بھی نہیں

پابندیٔ ذوقِ اہلِ دل کیا معنی
دلچسپیِ جنسِ مضمحل کیا معنی
اے ناظمِ کائنات کچھ تو بتلا
آخر یہ طلسمِ آب و گل کیا معنی

رازِ قدرت کسی کو معلوم نہیں
اُس کی نیت کسی کو معلوم نہیں
سب محو ہیں آج کے مشاغل میں رواں
کل کی حالت کسی کو معلوم نہیں

اپنی اوقات مفت میں کھوتا ہوں
اپنی ہی نظر میں خوار خود ہوتا ہوں
اے داور حشر آہ میرے اعمال
دنیا ہنستی ہے اور میں روتا ہوں

درد دل چاک چاک کس سے کہیے
افسانہ خوا نیا کس سے کہیے
دنیا معلوم حال دنیا معلوم
بے وجہ کا اہتمام کس سے کہیے

جب نفس پہ فتحیاب ہو جاتا ہے
انسان عظمت مآب ہو جاتا ہے
اُف عشق کے سوزشِ دروں کی تاثیر
ہر داغِ دل آفتاب ہو جاتا ہے

جب حسن سے فیضیاب ہو جاتا ہے
دل خوگرِ پیچ و تاب ہو جاتا ہے
ہستی کو خود اپنی بھول جاتا ہے بشر
ایسا کچھ انقلاب ہو جاتا ہے

کرتے ہیں عزیز دوست عزت میری
کافی ہے ضرور توں کو دولت میری
ظاہر میں تو کوئی وجہ کلفت کی نہیں
لیکن میں خوش نہیں یہ قسمت میری

دن صرف جمالِ روئے تصویر رہا
شب بھر دلِ محو خواب و تعبیر رہا
ہے صبح سے صبح تک ہوس دامنگیر
کل عمر رواں اسیر زنجیر رہا

آنسو نکلتے ہیں یہ ہنسی کیسی ہے
ظالم دنیا کی دوستی کیسی ہے
سب ہیں اور دل کا کوئی ہمدرد نہیں
اللہ یہ میری بیکسی کیسی ہے

طاعت یہ غرور یہ خودی کیسی ہے
سنجیدہ دلوں کی دل لگی کیسی ہے
سر خاک پہ اور دل خدا جانے کہاں
مکار یہ تیری بندگی کیسی ہے

فطرت کہتی ہے ظلمتوں کے پس پشت
کیا ہو باران نور اگر ہو کمشت
ہنگامہ طور کر رہی ہے برپا
صبح خنداں کی اک حنائی انگشت

کچھ وقت اگر خوشی میں کٹ جاتا ہے
تسکین ہوتی ہے رنج ہٹ جاتا ہے
اکثر تو کچھ ایسا حال ہوتا ہے رواں
بالکل دنیا سے جی اچٹ جاتا ہے

ہر رنگ میں انبساط قدرت دیکھے
ہر ذرہ میں خندۂ حقیقت دیکھے
بیشک وہی کامیاب ہے عالم میں
ہر اشک میں جو موج مسرت دیکھے

افسانۂ زندگی سنانا ہے تمھیں
ٹوٹا ہوا دل ذرا دکھانا ہے تمھیں
پھر کیا آئے جو جان تن میں نہ رہی
جلدی آؤ اگر اب آنا ہے تمھیں

کسکی تنویر سے روحِ انسانی ہے
کسکا جلوہ یہ بزمِ نورانی ہے
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے اور یہ مطلعِ صبح
کسکا رخسار کسکی پیشانی ہے

پر بادِ ہوائے چارسو بیٹھا ہوں
اڑنے کو بر رنگ مرغِ بو بیٹھا ہوں
کونین سے محوِ حسنِ رخسارِ سحر
میں ہی کیا سرمہ در گلو بیٹھا ہوں

تقدیر کا راز فاش ہو جانے دے
قربان رزق و معاش ہو جانے دے
اک لذت غم پہ دو جہاں کی خوشیاں
صدقے ہو جائیں کاش ہو جانے دے

لیکر خط طاعت جوانانِ حسین
پھر پیر مغاں بنا ہے دربانِ حسین
ذوق توبہ ہمارا ہمت باخیر
پھر جام بکف ہیں نونہالانِ حسین

ہر قلب پہ بجلیاں گراتی آئی
ہر سمت اک آگ سی لگاتی آئی
بھرنے جاتے ہیں زخمہائے کہنہ
پھر صبح بہار مسکراتی آئی

ہر بادِ ہوا سے آرزو رہنے دے
کچھ اور اسیرِ رنگ و بو رہنے دے
گو کھنچ کے لبوں تک آچکی جانِ رواں
ساقی ابھی شیشہ و سبو رہنے دے

تو رہ نورد ہے غرق بادۂ دنیا کر دے
میرا ارمان آج پورا کر دے
پی لوں میں شراب بھر کے اتنی ساقی
تو کاسۂ آسمان کو سیدھا کر دے

دل صرف حصول جام و مینا کر دے
جاں وقف حضور حسن یکتا کر دے
تو رہ از نشاط پوچھتا کیا ہے زوال
غرق مے ناب دین و دنیا کر دے

مدح و ذم شیشہ و سبو کیا معنی
یہ مذہب و دین کی گفتگو کیا معنی
پینے والے اسے سمجھتے ہیں روان
خالص ہو اگر شراب۔ تو کیا معنی

ہے گرم چہار سمت بازار فنا
ہے دار حیات بر سر دار فنا
لیکن کیونکر جہان کو فانی سمجھوں
ذرہ کو بھی جب نہیں ہے اقرار فنا

یہ ہستیِ جزو و کُل نہیں ہونے کی
مستی پابندِ دل نہیں ہونے کی
محفل بدلے، لگن بدل جائے مگر
یہ شمعِ حیات گُل نہیں ہونے کی

میں غنچۂ نو شگفتۂ گلشن ہوں
تکمیلِ عروجِ نورِ روح و تن ہوں
دلشاد ہوں میں آپ اپنی بربادی سے
خنداں ہوں اگرچہ سوختہ خرمن ہوں

میں نورِ چراغِ بزمِ جانانہ ہوں
خود آپ ہی شمع آپ پروانہ ہوں
چپ ہوں جب تک کہ نامکمل ہوں رواں
روشن ہوتے ہی گرمِ افسانہ ہوں

میں خود غرضِ حیات مستانہ ہوں
یعنی کہ مطیعِ حکمِ جانانہ ہوں
دو رخ ہر حال میں ہیں ہستی کے مری
سب میں شامل ہوں سب سے بیگانہ ہوں

گر پھر کبھی زندگی عنایت کرنا
مالک میرے خودی عنایت کرنا
ہوتے ہیں گناہ وجہ تکمیلِ حیات
پھر ذوقِ گنہ بھی عنایت کرنا

عشق است محیطِ عالم و عالمیان
عشق است کلیدِ رازہائے تن و جان
بالائے فضائے چرخ و ہم زیرِ زمین
عشق است القصہ ناظمِ کون و مکان

مسرور شراب مست پیمانہ ہوں
میں زلہ ربائے خوان رندانہ ہوں
لذت طلب گناہ ہوں عالم میں
اپنا بندہ ہوں سب سے بیگانہ ہوں

مدہوش کو لذت گنہ کیا معلوم
مسرور کو حسرت گنہ کیا معلوم
ہے اس سے بےخودی جو دی روح نشاط
ناصح تجھے عظمت گنہ کیا معلوم

مجھ سا حسرت شعار کوئی ہو گا
مجھ سا بے اختیار کوئی ہو گا
خوش ہوں کہ گناہ وجہ توبہ ہے رواں
مجھ سا بھی گناہگار کوئی ہو گا

کل صبح نے مسکرا کے تاروں سے کہا
ہو جائینگے اب تمہارے انوار فنا
تاروں نے کہا کہ ہم مٹینگے یوں ہی
تو آئیگی اور ختم ہو جائیگی آہ

اس دارِ فنا میں مقصدِ دل کیا ہے
بے کیفیِ تعبیرِ خوابِ باطل کیا ہے
جب قلب کو اک دم بھی راحت نہ ملی
آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے

جینے سے مراد روح کی عظمت ہے
گر یہ نہ ہوا تو سر بسر کلفت ہے
جب حاصلِ زندگی ہی حاصل نہ ہوا
جینے اور جینے والوں پر لعنت ہے

تابع ہمیں عقل کا کیے دیتی ہے
آزادی دل فنا کیے دیتی ہے
تہذیب کی عظمتوں سے ہم باز آئے
فطرت سے ہمیں جدا کیے دیتی ہے

بستی سے اوچاٹ جی ہے صحرا مرغوب
فطرت ہے بے نقاب بے نقص و عیوب
حائل نہیں پردہائے تہذیب یہاں
آزادی سے مل سکینگے طالب مطلوب

خوکردہ عیش - غم کا حامل بھی ہے
دنیا میں عجیب چیز یہ دل بھی ہے
طرفہ جادہ ہے جادۂ عشق رواں
منزل کا یہ راہبر بھی فاصل بھی ہے

جتنا بیرنگ ہوں مجلا تر ہوں
جتنا خوش پوش ہوں معرا تر ہوں
ہے حسرت وصل و جبہ اعزاز رواں
جتنا مقبول تر ہوں شیدا تر ہوں

جتنے انوار حسن صورت کے ہیں
سب نغمہ نواز بزم قدرت کے ہیں
یہ آب و سحاب برق و باد و باران
پردے ہیں دو چار ستار فطرت کے ہیں

قابو کی ہوس نہیں ہے سرمایۂ جان
الفت حاصل کرو اگر ہو امکان
بدتر مرنے سے بھی ہے مضطر رہنا
جیتا ہے سکون جسکو حاصل ہے یہاں

عالم پہ محیط ہے مری روح رواں
دنیا مغموم ہے مگر ہیں شاداں
سرمایہ امتیاز ہے فطرت عشق
بے اس کے آدمی نہیں ہے انساں

پھر وصل ہی وصل ہو جدائی نہ رہے
تفریق گناہ و پارسائی نہ رہے
اسرار حیات کو سمجھنے کے لئے
لازم ہے خودی و خودنمائی نہ رہے

انسان ایسا بھی کور و غافل کیا ہو
محدود نظر ہو ہر طرف پردا ہو
یہ دورِ حیات خوابِ غفلت ہے رواں
بیدار ہوں ہم جو دیدۂ دل وا ہو

اپنے ساقی سے کل یہ پوچھا میں نے
کتنے میخوار تشنہ لب آتے ہیں
بولا کہ مقدرات ہیں بادہ و ظرف
آنے کی اگر کہو تو سب آتے ہیں

میرے ساقی شراب صافی دینا
کچھ جس سے گنہ کی ہو تلافی دینا
اترے نہ خمار زندگی بھر جس کا
ایسی دینا اور اتنی کہ کافی دینا

ساقی ابھی آتے سمجھ میں اسرار نہیں
پیتا نہ پیے تمام میخوار نہیں
لب تشنہ ہے خلق اور خم ہیں لبریز
بازار ہے گرم اور خریدار نہیں

آتی ہے یہ گوشِ دل میں آوازِ بقا
ہر ذرہ کائنات ہے سازِ بقا
فطرت کبھی ہے موجِ دریا سے رواں
محسوسات فنا میں ہے رازِ بقا

رہرو بھی راہبر بھی ہوتے جانا
ہمراز بھی ہمسفر بھی ہوتے جانا
آتی ہے یہ مرقدِ غریباں سے صدا
جانے والے ادھر بھی ہوتے جانا

خنداں با چشم خونچکاں جاتے ہیں
لب تشنہ و درد بیزباں جاتے ہیں
منزل پہ پہونچکے بھی نہیں رکتے پاؤں
کوئی بتلائے ہم کہاں جاتے ہیں

اس سے بہتر کہ مجھکو تعزیریں دے
کچھ سعی سکون دل میں تاثیریں دے
بیباک سہی کہ میں ہوں مائل بہ گناہ
میری آزادیوں کو زنجیریں دے

حالِ دلِ ناصبور کس سے کہیے
افسانۂ برقِ طور کس سے کہیے
جانِ مظہر ہے جلوۂ حقیقت سے مگر
کہنے کا نہیں شعور کس سے کہیے

وہ لذتِ شورشِ نہانی نہ رہی
ہر وقت اپنے سے بدگمانی نہ رہی
جینا نہیں نام سانس لینے کا رواں
کیا لطفِ حیات جب جوانی نہ رہی

دل تو نے دیا ہے ذوق غمخواری دے
جان دی ہے تو نفرت دل آزاری دے
تخلیق کی غایتوں کو پورا کر لیں ہم
آنکھیں دی ہیں تو نور بیداری دے

دین شیخ کا مذہب برہمن کیا ہے
کیا غایت جان ہے مقصد تن کیا ہے
دھوکے ہیں یہ قصہ ہائے نار و جنت
کسکو معلوم بعد مردن کیا ہے

ساقی وہی جام و بادہ و مینا لا
اپنے ہاتھوں سے ساغر صہبا لا
کیسا دوزخ کہاں کی جنت ساقی
پلٹا اب تک نہ کوئی جانے والا

روداد یہ مختصر ہے افسانے کی
جو کچھ کر جلد کر مدد ہی پیمانے کی
ہشیار کہ زندگی دو روزہ ہے رواں
نکلی ہوئی جان پھر نہیں آنے کی

ہاں اے دامن بچا کے جانیوالے
کیا کہتے ہیں اشک خون بہانیوالے
کسطرح ہو جمع خاطر خستہ دلان
اے چاک جگر پہ مسکرانے والے

اے وعدہ وصل کر کے جانے والے
دامن میرے ہاتھ سے چھڑانیوالے
اسطرح نہ ٹوٹے شیشہ خاطر عشق
ایسا کرتے ہیں پھر نہ آنے والے

اے جادۂ عیش سے گذرنے والے
یونہی سب جیتے ہیں کام کرنے والے؟
واقف نہیں لطف تلخکامی سے تو
اے راحت زندگی پہ مرنے والے

اپنے گھایل کی چارہ سازی تیری
کیا خوب ہے یہ ستم طرازی تیری
خود زخم لگا کے زخم پر چشم کرم
اللہ اللہ دلنوازی تیری

تم نے نہ اگر ہدایتیں کی ہوتیں
میں نے نہ تم سے شکایتیں کی ہوتیں
رونا یہ ہے کہ تم نے پیارا مجھ کو
جسے شاید عنایتیں کی ہوتیں

محفوظ ستم اگر یہ چھپالا ہوتا
دل کا اندازہ ہی نرالا ہوتا
دیکھو دیکھو کہاں رکھے دیتے ہو یوں
تم نے آئینہ توڑ ڈالا ہوتا

یہ کیا کہ حیات جاودانی کیا ہے
پہلے دیکھو جہان فانی کیا ہے
اس فکر مین ہو کہ موت کیا شی ہے رواں
یہ بھی تو سمجھے کہ زندگانی کیا ہے

سب مجھ سے اگر ہون خوش تو مین شاد نہین
معتوب جہان مین غم سے آزاد نہین
اچھے اچھا کہین برے مجھکو برا
جب مین سمجھون کہ زیست برباد نہین

ضائع ہر طرح جستجوئے دل ہے
میری ہر سانس گفتگوئے دل ہے
صلاح کی کیا امید احباب سے ہو
تنقید حیات آرزوئے دل ہے

عزت اچھی نہ مال و دولت اچھی
حاصل جس سے ہو دل کو راحت اچھی
جس سے اصلاح نفس ناممکن ہو
اس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

ہر ناز ترا نیاز سے بالا ہے
یہ راز امکان راز سے بالا ہے
انسان معذور فکر انسان معذور
نغمہ آواز ساز سے بالا ہے

مذہب راز و نیاز سے بالا ہے
ایمان سوز و گداز سے بالا ہے
تو کیا ہے تیری ذات و ہستی کیا ہے
یہ راز کشود راز سے بالا ہے

ہنگامِ شباب نفس یکسو نہ ہوا
پیری میں کبھی ہوش پہ قابو نہ ہوا
افسوس کہ رائگاں گئی عمرِ رواں
ہمت سے کبھی عمل ترازو نہ ہوا

فطرت کی ہما ہمی نہ بھولیگی ہمیں
نکھری ہوئی چاندنی نہ بھولیگی ہمیں
جب ہم تھے جگر تھے اور بزمِ بادہ
وہ رات رواں کبھی نہ بھولیگی ہمیں

صلاحِ عمل اگر مقدر ہو جائے

ہلکا بارِ گناہ سے سر ہو جائے

جب خلق ہوئی تھی پاک روحِ آدم

اے کاش کہ پھر وہ دن میسر ہو جائے

ملنا کس کام کا اگر دل نہ ملے

چلنا بیکار ہے جو منزل نہ ملے

وسطِ دریا میں غرق ہونا اچھا

اس سے کہ نظر میں آ کے ساحل نہ ملے

پاس ہیں آئین حق نیوشی کرنا
کرنا بھی تو یوں سخن فروشی مکرنا
اے دوست نواز خامشی جوہر ہے
میرے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا

ہم تیشۂ باغباں سے کیوں مضطر ہو
شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
مقراضِ اجل ہے قاطعِ شاخِ حیات
ممکن ہے اسی میں رازِ جاں مضمر ہو

محو ہے سحر میں مرغانِ چمن
غنچہ چپ ہے زمزمہ خوانِ چمن
سوکھی کلیوں کے پاس بھی ہو کے ذرا
اے بادِ نسیمِ صبح اے جانِ چمن

فکرِ رزق و معاش اے دل کیا ہے
کسکو خبر کل سے منزل کیا ہے
دانہ دانہ پہ جبکہ ہے مہر رواں
اس کاوشِ بے محل کا حاصل کیا ہے

مطلوب ہی رحمتِ دل جو پیتے نہ بنی

جینا کس کام کا جو جیتے نہ بنے

ہے مجھ کو حلال ہی نہیں عیش صعوب

ہے مے اور یہ حرام جس سے پیتے نہ بنی

ساقی مے صاف وار عوالی لانا

کم جس سے ہو کچھ غمِ نہانی لانا

ترسی ہوئی مدتوں کی ہی روح روان

جیسے یہ بادۂ جوانی لانا

آنسو ہنستے ہیں بیکسی ہنستی ہے
تارے ہنستے ہیں چاندنی ہنستی ہے
دنیا ہنستی ہے بندگی پر میری
اور مجھ پہ جبین بندگی ہنستی ہے

یوں زیست نہ اپنی ہم کو بھاری ہوتی
کلفت بھی خوشی بھی باری باری آتی
ہوتے نہ اگر ہم آپ اپنے دشمن
یوں تلخ نہ زندگی ہماری ہوتی

دل! اسرار شہادت تجھکو معلوم نہیں
اصلی حالات تجھکو معلوم نہیں
تو نقطۂ اصل و مرکز ہستی ہے
شاید یہ بات تجھکو معلوم نہیں

کچھ تجھکو خبر ہے اے مہر جمال
کیا ہے ترے تشنہ کام دیدار کا حال
چلمن سے تری جھلک نظر آتی ہے صاف
لیکن دیکھے تجھے یہ کس کی ہے مجال

کیوں فکر کریں کہ حکم مولا کیا ہے
دنیا کیا ہے مآل دنیا کیا ہے
سرگرم عمل میں تا بہ امکانِ عمل
اس سے بے فکر ہیں نتیجہ کیا ہے

سعی و فکرِ شفا کریگا کوئی
نا نا میری دوا کریگا کوئی
ہے زخم نوازِ مرہم زخمِ جگر
تیری قسمت کو کیا کریگا کوئی

انسان معذور فکر انسان معذور
یہ کس کو خبر کہ کیا ہے اس کو منظور
پیمانہ بدست رند اور اس سے قریب
تسبیح بدست واعظ اور اس سے دور

دل وقف جنون حل و اثبات نہ کر
جاں صرف جواب اعتراضات نہ کر
اپنے کو سمجھ کہ تو ہی سرچشمہ نور
اے طالب حق خراب اوقات نہ کر

حالِ دل کچھ خراب سا رہتا ہے
یعنی اک پیچ و تاب سا رہتا ہے
کھلتا نہیں راز وجہِ کلفت لیکن
ہر وقت اک اضطراب سا رہتا ہے

اے عقل تیری قباحتیں نامعلوم
اے ذرہ تیری صراحتیں نامعلوم
حاکم مرہم تجھے مسلّم لیکن
میرے دل کی جراحتیں نامعلوم

سرمایۂ جان و دل ہے مستی میری
ہے وجہ بقا فنا پرستی میری
ورنہ اس گنبدِ تعین میں رواں
اک نالۂ رائگاں ہے ہستی میری

اس سے بہتر کہ بادۂ کوثر دے
ساقی بس اک نگاہ احسان کر دے
اے مطلعِ حسن اے بیاضِ خورشید
پیمانۂ دل میں نورِ الفت بھر دے

غم شہر بشہر پھیلتا جاتا ہے
اللہ کا قہر پھیلتا جاتا ہے
اب تک تو دلوں میں اک حرارت تھی رواں
اب خون میں زہر پھیلتا جاتا ہے

مایوس دلوں کا مدعا دے ساقی
شمع مردہ کو پھر جلا دے ساقی
پھر دل کے عقیدے ڈگمگاتے ہیں رواں
چہرے سے نقاب پھر اٹھا دے ساقی

گل او سے او لٹ کے اپنے چہرہ سے نقاب

ارباب نظر کو کر دیا خانہ خراب

میں نے پوچھا کہ اس کی غایت ساقی

بولا کہ یہ زندگی ہے اک نقش بر آب

یہ آئے کا کام ہے وہ ائے ہے وہ مندان ساقی

اے قبلہ مدعائے مستان ساقی

دنیا سے حیات پھر نہ ویاں لائے ہے

للہ پھر اک نگاہ احسان ساقی

اے شعلہ فروز شعلہ آشامِ عمل
مجھ سے کہا پوچھتا ہے پیغامِ عمل
دیتا ہے سبق یہ مہرِ تاباں ہر روز
خود حسنِ عمل ہے آپ انجامِ عمل

اُس وقت ہوا اپنی قوم شایانِ نبرد
جب ایک ہی جذبہ ہوں مضطر زن و مرد
کل قوم کے دل میں درد ہر فرد کا ہو
اور دل میں ہر فرد کے کل قوم کا درد

ہر طرح سے درد کی فراوانی ہے
احساس خودی سے رنج روحانی ہے
ایسا جینا بھی کوئی جینا ہے رواں
ہم تو ہم ہیں زبان زندانی ہے

کوئی حد بھی ہے ضعف بینائی کی
ہنستے ہیں اگر کسی نے خودرائی کی
اتنی مدت ستم اٹھاتے گزری
عادت سی ہو گئی جبیں سائی کی

بے فکر علاج ہی شفا ہو جائے
مبذول عنایت خدا ہو جائے
بیمار کو چندے اسکی حالت پہ بھی چھوڑ
ممکن ہے کہ درد ہی دوا ہو جائے

مرنے کا یقین شفا کے آثار نہیں
اچھے چارہ گرو یہ اچھے اسرار نہیں
آتا نہیں کوئی دم کسی پہلو چین
بیمار اگر کہو تو بیمار نہیں

جب شبنم ہوائے شوق سو جاتی ہے
بیداری جیسے روح ہو جاتی ہے
اس طرح ترے خیال میں گم ہوئیں
مچھلی پانی میں جیسے کھو جاتی ہے

جب شب میں شعاعِ نور کھو جاتی ہے
بیدار روحِ سکوت ہو جاتی ہے
فطرت اس وقت گنگناتی ہے رواں
جس دم دنیا تمام سو جاتی ہے

ذوقِ تدبیر اور ضرورت دیکھے
امکانِ عمل کی حد وسعت دیکھے
ہر حال میں انسان کو لازم ہے ہر آن
اپنا ظرف اپنی آدمیت دیکھے

اس سے مجھے محبت بھی ہے پہچان بھی ہے
یہ میرا عقیدہ بھی ہے ایمان بھی ہے
پیچھے ہٹ جائینگے جو آگے نہ بڑھے
نقطہ بیکار بھی ہے بیجان بھی ہے